بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۱ | ماہ جنوری ۲۰۱۳ء مطابق صفرالمظفر ۱۴۳۴ھ | شمارہ نمبر ۱

مدیر
خلیل الرحمان سجاد نعمانی
E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	افتتاحیہ	مدیر	۳
۲	نگاہ اولیں	مدیر	۵
۳	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	۱۱
۴	مرد اور عورت کی جذباتی ضروریات	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی	۱۴
۵	علامہ شیخ صفی الدین ہندی شافعی	مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی	۲۶
۶	حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی حضرت مولانا فضل علی قریشی سے بیعت... کی روایت پر ایک نظر	مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی	۳۶

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ
آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ .V.P ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے ذمہ دار حضرات کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں ان مقامات نیز قرب وجوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کر لیں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسنین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا تنویر صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاسمی بکڈپو	+91-9960070028
	طلحہ بکڈپو	+91-9326401086
	الطاف بکڈپو	+91-9325052414-9764441005
۵۔ گورکھپور (اترپردیش)	مکتبہ کامر	+91-9451846364
۶۔ جالنا (مہاراشٹرا)	محمد اظہر	+91-9225715159

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زرتعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عموی -/Rs.200

☆ سالانہ زرتعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی [۱]) عموی -/Rs.230

[۱] اس صورت میں پہلے سے زرتعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے، مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہوئی تو ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ : Mr. RAZIUR RAHMAN
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

ماہنامہ الفرقان
۱۱۴/۳۱ نظیر آباد لکھنؤ۔
پن۔۲۲۶۰۱۸۔ یوپی، انڈیا۔ فون نمبر: Ph:0522-4079758
e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ　بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک
اتوار کو آفس بند رہتا ہے۔۔۔۔۔

خلیل الرحمن سجاد کے لیے پرنٹر وپبلیشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱/۱۱۴ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

افتتاحیہ

بسم اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم یحیی و یمیت وھو علی کل شیء قدیر

محرم الحرام ۱۳۵۲ھ میں الفرقان اسلامی ہند کے افق پر طلوع ہوا تھا، شمسی کیلنڈر سے اس کی عمر کے ۸۰ سال پورے ہو چکے ہیں، یہ ۸۱ ویں جلد کا پہلا شمارہ ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

''حق جل مجدہ کے فضل وکرم سے الفرقان کے سفر کی ۸۰ منزلیں طے ہو چکی ہیں۔ اور آج وہ ۸۱ ویں منزل کی طرف اپنا قدم بڑھا رہا ہے۔ جس مسبب الاسباب اور محافظ حقیقی نے اس کا اتنا سفر طے کرایا اسی سے پھر اس کی التجا ہے۔ رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا

خداوندا! توفیق دے کہ تیرے دین پاک کی اشاعت اور تیرے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنتوں کی حمایت وحفاظت کا جو کام صرف تیری اعانت کے بھروسے پر ہم نے شروع کر دیا ہے اس کو انجام تک پہنچا سکیں۔ الہ العالمین! نیتوں میں اخلاص، ارادوں میں عزیمت اور کوششوں میں برکت دے۔ مولی! راستے کی مشکلات کو آسان فرما، اور شیاطین الجن والانس کے شر وفریب سے بچا، اب تک اس سلسلہ میں جو کوتاہیاں ہوئیں ان کو معاف کر، اور توفیق دے کہ آئندہ ہمارا کوئی کام تیری مرضی کے خلاف نہ ہو۔

الٰہی! اپنی محبت دے! اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دے! اپنے تمام ارباب محبت کی محبت دے! اور ہمارے دلوں کو اس محبت سے ایسا بھر دے کہ پھر اس میں کسی دوسرے کی چاہت کے لئے کوئی گنجائش نہ رہے۔

مالک ومعبود! ہم سے راضی ہو جا، اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہم سے راضی رکھ، ہم پر رحم فرما! ہم کو ظالموں کے فتنوں سے بچا، ہم کمزور ہیں، آزمائش کے لائق نہیں، عاجز ہیں امتحان کے قابل نہیں، گنہگار ہیں بخش دے، خطاکار ہیں معاف کر، زندگی اور موت کے مالک! ہم جب تک زندہ ہیں تیرے دین پر قائم

تیرے رسول کی سنت پر عامل رہیں، اوران ہی کی ملت بیضاء پر ہمارا خاتمہ ہو،قبر کی تنہائی میں تیری رحمت مونس بنے، اور قیامت کے ہولناک میدان میں تیرے عرش عظیم کا سایہ نصیب ہو، ہم محشر میں تیرے حبیب پاک کی جماعت میں ان کے جھنڈے لواء الحمد کے نیچے ہوں، اوران کی شفاعت اور تیری مغفرت سے محروم نہ رہیں، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ''

(ابتدائی دوسطروں کے بعد سے یہ پوری تحریر (صرف الفرقان کی عمر کے تذکرہ کو چھوڑ کر) بانیٔ الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے مضمون سے ماخوذ ہے جوانھوں نے محرم ۱۳۵۵ھ کے الفرقان میں تیسری جلد کے افتتاحیہ کے طور پر لکھی تھی —— رحمه الله رحمةً واسعةً ، اللّٰهم لاتحرِمناخيره ، ولاتفتنابعده، آمين)

اگر آپ الفرقان کو مفید سمجھتے ہیں

تو

اس کے پیغام کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لئے:

۱۔ اپنے ایک یا دو [۲] دوستوں کو اس کا خریدار بنائیں۔

۲۔ ایک یا دو [۲] دوستوں کے نام اپنی طرف سے رسالہ جاری کروادیں —— آپ کی طرف سے ان کے لئے یہ ایک قیمتی تحفہ ہوگا۔

۳۔ کسی عوامی لائبریری، یا کسی مدرسے کی لائبریری کے لئے اپنی طرف سے اس کو جاری کروادیں۔

۴۔ لائف ممبر، یا خصوصی خریدار بن کر، یا اشتہار دے کر اس کارِ خیر میں شریک ہوں۔

ہم آپ کے مشوروں اور دعاؤں کے بھی طالب ومحتاج ہیں۔ —— ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اولیں

مدیر

الفرقان: نومبر ۲۰۱۲ کے اِن ہی صفحات کے آخر میں ''حمایتِ اسلام کے نام پر ایک اور وحشیانہ اور غیر اسلامی حرکت'' کے زیر عنوان ایک شذرہ لکھا گیا تھا، جس میں ۹/ اکتوبر ۲۰۱۲ کو منگورہ (سوات، پاکستان) میں ایک ۱۴ سالہ لڑکی پر ہونے والے قاتلانہ حملے، اور ان اطلاعات پر جن میں کہا گیا تھا کہ ''یہ حملہ تحریک طالبان پاکستان نے اسلام کے نام پر اور شریعت اسلامی کے حکم کے مطابق اور اس کے تحفظ کے مقصد سے کیا تھا، اور جن میں ان کے ترجمان کا یہ فتوی بھی نقل کیا گیا تھا کہ شریعت، اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والے ہر اس شخص کو ہلاک کر دینے کا حکم دیتی ہے اور ایسے ہر شخص کو جو شریعت مخالف مہم کی علامت بن جائے، ہلاک کر دینا جائز ہی نہیں فرض ہو جاتا ہے، تبصرہ کرتے ہوئے راقم الحروف نے لکھا تھا:

''مان لیجئے کہ یہ لڑکی سو فیصد گمراہ تھی، اسلام کے راستے سے دور جا چکی تھی اور اس کے افکار و عقائد اور اعمال سب اسلام کے بالکل خلاف تھے، تب بھی کیا اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ ہر ایسی لڑکی کو راستہ چلتے ہوئے مار ڈالو، لاحول ولاقوۃ الا باللہ''——

آگے چل کر اسلام کے فہم اور ترجمانی کے اس انداز کے بارے میں عرض کیا گیا تھا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کن لفظوں میں اسلام کی ایسی فہم اور ترجمانی پر ماتم کیا جائے اور ان اسلام کے علم برداروں کی متاع دین و دانش لٹ جانے کا شکوہ کن لفظوں میں کیا جائے؟؟

یہ واقعہ ۹/ اکتوبر کو ہوا تھا، ۱۰/ اکتوبر کی سہ پہر اس کی خبر سنتے ہی فوری طور پر ایک مختصر سا شذرہ راقم نے الفرقان کے نومبر کے شمارے کے لئے لکھا تھا، جس کے دو مختصر اقتباس آپ نے سطورِ بالا میں پڑھے، اس وقت تک واقعہ اور اس کے پس منظر کی پوری تفصیلات نہیں آئی تھیں، اور رسالہ پریس جانے کے

لئے تیار ہو چکا تھا۔

جو تفصیلات بعد میں مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعہ آئی ہیں، ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آج کل رونما ہونے والے اکثر واقعات کی طرح اس واقعہ کے بھی دونوں فریق، کسی اور کے آلۂ کار کے طور پر استعمال ہوئے ہیں —— جو کچھ معلومات حاصل ہو سکی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) ۱۴/اگست پاکستان کے یومِ آزادی کے طور پر منایا جاتا ہے، ٹھیک اسی دن اُسے غالباً اپنی نام نہاد آزادی کی حقیقت یاد دلانے کی غرض سے، امریکی وزیر دفاع نے اعلان کیا کہ پاکستان اور امریکہ کی اعلیٰ فوجی اور سیاسی قیادت نے اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ پاکستانی فوج جلد ہی شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن شروع کر دے گی ——

(۲) اس کے بعد سے ملک کی امریکہ نواز اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والی مغرب زدہ لابی نے اس مہم کے لئے رائے عامہ ہموار کرنے کی زبردست مہم شروع کر دی۔

(۳) مگر اچانک توہینِ رسالت والی بدنام زمانہ فلم کی وجہ سے پورے ملک میں امریکہ و مغرب مخالف جذبات میں غیر معمولی شدت آ گئی، اور چونکہ ایسے ماحول میں امریکہ کے حکم پر اپنے ہی ملک کے عوام کے خلاف ایک نئی جنگ چھیڑنے کی ہمت پاکستان کی قیادت نہیں کر پا رہی تھی، اس لئے ضرورت تھی کوئی ایسا ڈرامہ رچانے کی، یا انتظار تھا ایسے کسی واقعہ کا، جس کا شور مچا کر عوام کی توجہ الٹی طرف موڑ دی جائے اور لوگوں کے غم و غصہ کی لہر کا رخ امریکہ اور اس کے ''بندوں'' کے بجائے ملاؤں اور اسلام پسندوں کی طرف مڑ جائے، اور پھر اس فضا سے فائدہ اٹھا کر امریکہ کے حکم کی تعمیل میں اپنوں پر چڑھائی کر دی جائے۔ ایسے ماحول میں سوات میں ملالہ یوسف زئی پر حملہ ہوتا ہے، جس کی زد میں دو اور بھی لڑکیاں آتی ہیں، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس المناک واقعہ کی خبر دنیا کی سب سے بڑی خبر بن جاتی ہے، اور بتایا جاتا ہے کہ نام نہاد تحریک طالبان پاکستان نے نہ صرف یہ کہ اس کی ذمہ داری قبول کی ہے، بلکہ اس کے شرعی جواز بلکہ وجوب کا فتویٰ بھی صادر کیا ہے۔

(۶) مگر پھر اس کے بعد پاکستان میں کیا ہوا؟ یہ جاننے کے لئے آیئے پاکستان کے ایک موقر دانش ور اور ''ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن'' کے مدیر پروفیسر خورشید احمد کی زبانی سنیں! وہ بتاتے ہیں:

> ''پاکستان کی دینی اور سیاسی قیادت نے بجا طور پر اس ظالمانہ حملے کی بھرپور مذمت کی، اور پوری قوم نے یک زبان ہو کر اس خلافِ اسلام اور خلافِ انسانیت کارروائی کا ارتکاب کرنے والوں کو قانون کے مطابق قرارِ واقعی سزا دیئے جانے کا مطالبہ کیا۔''

(۷) دوسری طرف اس واقعہ کے فوراً بعد امریکی قیادت، ناٹو کے فوجی افسران اور عالمی و پاکستانی میڈیا، پاکستان کی حکمراں جماعت کے وزراء سب یک زبان ہو کر اس عام فضا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو ایک کم سن لڑکی پر ایک وحشیانہ حملہ سے ملک میں بنتی ہوئی نظر آرہی تھی، شمالی وزیرستان میں بلا تاخیر فوج کشی کر دینے کے لئے رائے عامہ ہموار کرنے میں لگ گئے، لیکن بقول پروفیسر خورشید احمد ہوا یہ کہ:

> قوم کے باشعور افراد، خصوصیت سے دینی قیادت، بالغ نظر صحافی اور کئی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے اس کھیل کا بروقت توڑ کیا۔ غلط کو (یعنی ملالہ پر حملہ کو) غلط کہا، اور پوری قوت سے کہا، مگر اس ظالمانہ اقدام کی آڑ میں، ملک کو ایک نئی جنگ کی جہنم میں ڈھکیلنے کے جس خطرناک کھیل کا آغاز ہونے والا تھا، اسے ناکام بنا دیا، اور وہی وزیر داخلہ جو تلوار نکال کر حملہ کے لئے پر تول رہے تھے، یو۔ٹرن لیتے ہوئے نظر آئے اور زرداری صاحب بھی قومی اتفاق رائے کے مفقود ہونے کا نوحہ کرنے لگے۔

پاکستان کے محکمۂ خارجہ کے ایک اعلیٰ سطحی عہدیدار (ریٹائرڈ) ہوا کرتے ہیں آصف ایزدی، ریٹائر ہونے کے بعد وہ ملکی و عالمی امور پر تجزیہ نگاری کرتے ہیں، اور ان کے تجزیوں کو خاص توجہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے —— جنگ گروپ کے مشہور انگریزی اخبار ''دی نیوز انٹرنیشنل'' ۲۲/اکتوبر ۲۰۱۲ میں ملالہ یوسف زئی کے واقعہ پر ان کے مضمون کے کچھ حصوں کا ترجمہ بھی پڑھ لیجئے، تاکہ ملالہ والے واقعہ کے بارے میں عالمی سیاست اور خارجہ امور کے ایک ماہر کا نقطۂ نظر بھی آپ کے سامنے آجائے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''پورے ملک نے ملالہ پر قاتلانہ حملے کی بیک آواز سخت مذمت کی ہے، اور پوری قوم اس کی مکمل صحت یابی کے لئے دعا گو ہے۔ لیکن نہ اس حرکت کی وحشیانہ نوعیت کی وجہ سے اور نہ اُس قدر کی وجہ سے جو ملالہ کے جذبات اور امنگوں کے تئیں ہمارے دلوں میں ہے، ان تمام لوگوں کو اس ذمہ داری سے سبک دوش کیا جانا چاہئے جنھوں نے اسے طالبان کے خلاف جنگ میں ڈھکیل دیا، اور نہ ہم کو ملک میں یا ملک سے باہر کسی کو اس کی اجازت دینی چاہئے کہ وہ اس ظالمانہ حرکت سے فائدہ اٹھا کر اپنا سیاسی ایجنڈا آگے بڑھائیں —— افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فی الحال یہی ہو رہا ہے ——

آگے چل کر ایزدی صاحب نے اپنے اس مضمون میں ان حالات کا تذکرہ کرنے کے بعد کہ ۱۱ سال کی عمر میں کمسن اور ناتجربہ کار ملالہ کو تعلیم کے نام پر طالبان کے خلاف بڑھ چڑھ کر بولنے پر کس کس طرح اکسایا جارہا تھا، اور پاکستان کی حکومت بجائے اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے اس کو انتہائی پرخطر راستے پر کس طرح تیزی سے چلا بلکہ دوڑا رہی تھی، لکھا ہے:

''مغربی حکومتوں، میڈیا اور غیر سرکاری تنظیموں کے کچھ عناصر ملالہ کی مسلسل حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ زیادہ تر اس مقصد سے کہ اس وقت کی حکومت اور فوج کو طالبان پر فوج کشی پر آمادہ کریں جو اس سلسلہ میں متردد تھی۔ بی بی سی نے اس کو ''بلاگ'' لکھنے پر راضی کرلیا اور نیویارک ٹائمز نے ایک دستاویزی فلم اس پر بنائی، جس میں وہ کھل کر دنیا کے سامنے آگئی۔ یہ باور کرنا مشکل ہے کہ جن لوگوں نے وہ فلم بنائی وہ اس خطرہ سے آگاہ نہیں تھے جس سے اس فلم کی وجہ سے ملالہ دوچار ہونے والی تھی۔ پھر جولائی ۲۰۰۹ء میں اس وقت افغانستان اور پاکستان میں متعین امریکہ کے اعلیٰ ترین نمائندے رچرڈ ہالبروک سے ملاقات کی خبروں نے بھی طالبان کو مشتعل کردیا۔۔۔۔۔ الغرض ملالہ کو مسلسل خطروں کی طرف ڈھکیلا جاتا رہا، صرف اس لئے کہ ایک بڑی جنگی مہم میں اسے آلۂ کار بنایا جارہا تھا۔ اور اب اس پر اس قاتلانہ حملے کو بھی ان ہی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اپنے ایک اداریے میں نیویارک ٹائمز نے پاکستان کے آرمی چیف سے کہا ہے کہ وہ صرف اس حملے کی مذمت کو کافی نہ سمجھیں، بلکہ عملی کارروائی کریں، اور یہ بات ہرگز راز نہیں ہے کہ واشنگٹن جس عملی کارروائی کا مطالبہ کررہا ہے وہ یہ ہے کہ فوج شمالی وزیرستان پر فوراً لشکر کشی کرے —— اسی طرح خود ہمارے ملک کے کئی مبصروں نے بھی حکومت کو صلاح دی ہے کہ وہ ملالہ پر حملے کی وجہ سے ملک میں پھیلے ہوئے غم وغصہ سے ملے ہوئے موقع کو ضائع نہ کرے اور شمالی وزیرستان پر حملہ کرنے میں ہرگز ہرگز دیر نہ کرے۔۔۔۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ملالہ پر حملہ کرنے والے لوگوں کا شمالی وزیرستان سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ وہ لوگ تو پاک۔ افغان سرحد کے دوسرے علاقے سے آئے تھے، اور یہ یقین کرنے کی معقول بنیادیں موجود ہیں کہ افغانی انٹلی جینس ایجنسیاں اس علاقے میں ایسے لوگ تیار کررہی ہیں، اور اگر ان کی تربیت میں براہ راست امریکی فوج شریک نہیں ہے تو کم از کم وہ اس

سے واقف ضرور ہے[1]۔۔۔۔۔۔

ملالہ ایک بچہ سپاہی تھا، جسے طالبان کے خلاف پروپیگنڈے کے محاذِ جنگ پر غیر مسلح اور تنہا بھیج دیا گیا، اور اس کے لئے وہی کردار طے کیا گیا جو ۱۵ سے ۱۸ سال کے خودکش بمباروں کا ہوتا ہے۔ ملالہ کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کی اصل ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنھوں نے اس کی تمناؤں اور جذبات کو اپنے منصوبوں اور سیاسی عزائم کی تکمیل کے لئے استعمال کیا۔۔۔۔

ایک طرف جب کہ ہم اس کے لئے معمول کی زندگی کی طرف بسلامت واپسی کے لئے دعا گو ہیں ہمیں اِن لوگوں کو یہ اجازت نہیں دینی چاہئے کہ اپنے جرم کو مذمتی بیانات کی آڑ میں چھپالے جائیں، یا اس افسوسناک واقعے کے بہانے ملک میں خوں ریزی اور باہمی خانہ جنگی میں مزید الجھا دینے کے اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب ہوں''۔

اس موقع پر ہم اللہ کا شکر بھی ادا کرتے ہیں اور پاکستان کے علماء اور قوم کے باشعور افراد کو خاص طور پر مبارک باد دیتے ہیں، جن کے فہم وفراست کی بدولت اللہ کی توفیق سے، وہ فی الحال اس خطرہ کو ٹالنے اور اس سازش کو ناکام بنانے میں کامیاب ہوئے۔

اس موقع کی مناسبت سے یہ عرض کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ صرف ایک وقتی سازش کے وقتی مقابلے کا نہیں ہے۔ قوم کے باشعور طبقے کو اور خصوصاً ہماری پوری دینی قیادت کو بہت سنجیدگی اور گہرائی کے ساتھ اس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے کہ آخر کب تک ہمارا معاشرہ اور تعلیمی نظام ایسی تقسیم کا شکار رہے گا جس کے ایک سسٹم سے ایسے نوجوان بچے اور بچیاں پیدا ہوتے رہتے ہیں جو مغرب کی اندھی تقلید کو ہی ترقی پسندی اور روشن خیالی کی علامت سمجھتے ہیں اور جو اس اسلامی شریعت اور اسلامی تہذیب کو جو بلا مبالغہ انسانی معاشرے کی ہمہ جہتی ترقی کی ضامن اور داعی ونقیب ہے، خالصۃً دقیانوسیت اور رجعت پسندی پر قائم اور ہماری جہالت وغربت اور ہمہ جہتی پسماندگی کی اصل وجہ قرار دینے کی بھیانک غلط فہمی میں مبتلا رہتے

---

[1] اِن سطروں کو کئی بار پڑھئے، اور بہت توجہ سے پڑھئے — اور یہ یاد رکھئے کہ یہ گواہی ایک ایسے شخص کی ہے جو اِن معاملات کی اندرونی حقیقت سے ہم سب سے زیادہ واقف ہے۔ نیز اس بیان سے یہ بھی صاف صاف جانا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں کو ہم ''طالبان پاکستان'' کے نام سے جانتے ہیں ان کو کون اور کن مقاصد کے لئے تربیت دے رہا ہے — افغان طالبان کچھ اور ہیں اور اکثر پاکی طالبان کچھ اور، اس دجالی دور میں حقیقت کا علم آسان نہیں ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کی حفاظت فرمائے.

ہیں، اور جن میں سے کچھ کو موقع ملتے ہی ہمارا چالاک دشمن بہلا پھسلا کر اور ان کے طالع آزما مزاج اور ''کچھ کر گذرنے کے شوق'' کی تسکین کا کچھ سامان انھیں فراہم کر کے اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کر لیتا ہے ۔۔۔۔۔اور جس کے دوسرے بازو سے ایسے افراد کی کھیپ کی کھیپ تیار ہوتی رہتی ہے جو برسہا برس دینی مدارس میں تعلیم پانے کے باوجود ایسی صلاحیت اپنے اندر پیدا نہیں کر پاتے جس کے ذریعہ وہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم، یا وہاں تعلیم پا کر نکلنے والے ہزاروں لوگوں کو، ان کی مانوس زبان میں اور ان کی عقلی سطح کی رعایت کرتے ہوئے اور داعیانہ وخیر خواہانہ انداز اختیار کرتے ہوئے دین وشریعت اور اسلامی تہذیب کے فطری حسن و جمال سے واقف کرا سکیں اور اس مرعوبیت، احساس کمتری بلکہ اس ذہنی وتہذیبی ارتداد سے ان کو نکال سکیں جن کا شکار وہ بسا اوقات اپنے تعلیمی پس منظر اور اس ماحول کی وجہ سے ہو جاتے ہیں جس میں ان کی نشو ونما ہوتی ہے —— ہمیں اس حقیقت کو ضرور پیش نظر رکھنا ہوگا کہ اگر ہمارے ایک طبقے سے دشمنوں کو اپنے گھناؤنے مقاصد کے لئے ملالہ جیسی لڑکیاں اور اس کے والد جیسے مرد مل جاتے ہیں، تو انہیں ہمارے ہی اندر سے ایسے جنونی بھی مل جاتے ہیں جو جہاد کی نیت سے فساد اور دہشت گردی کا ارتکاب کرتے ہیں —— اور اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن یہی چاہتا ہے کہ یہ دونوں طبقے ایک دوسرے کی مخالف سمت میں تیزی سے اپنا سفر جاری رکھیں، تاکہ اسے دونوں سے، زیادہ سے زیادہ تعداد میں ایسے لوگ ملتے رہیں جن کو وہ وقتاً فوقتاً اپنا آلۂ کار بناتا رہے —— الغرض دونوں طبقوں کے درمیان کی خلیج کو پاٹنے کے لئے بہتر دعوتی، اصلاحی اور تعلیمی کوششوں کی طرف ہم سب کو اپنی توجہ کو بڑھانا ہوگا —— اللہ ہم سب کو ہمت، اخلاص اور بہتر انداز سے اپنے معاشرے کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک اہم اطلاع اور گذارش

مہنگائی کس بھیانک رفتار سے بڑھ رہی ہے، یہ ہم سب جانتے ہیں، اس کا اثر آپ کے ''الفرقان'' کے اخراجات پر بھی ظاہر ہے کہ پڑ رہا ہے۔ کاغذ کی قیمت، بجلی کا بل، دفتری اخراجات، طباعت اور ڈاک خرچ، ہر چیز میں پچھلے دو۔تین سالوں میں تقریباً ۴۰ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اس لئے یہ طے کیا گیا ہے کہ

الفرقان کے سالانہ زر تعاون میں بھی تھوڑا سا اضافہ کر دیا جائے

آپ اس کی تفصیل صفحہ ۲ پر ملاحظہ فرمالیں۔ اور اسے بخوشی گوارہ کر لیں —— (ادارہ)

محفل (۱۲۲) سورۃ النساء (۲۷)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہٗ

کلالہ (بے باپ واولاد) میّت کی وراثت کا مسئلہ

ایک وضاحتی اضافہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ --- بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

ترجمہ

(اے نبی) لوگ تم سے (کلالہ کی میراث کا) حکم پوچھتے ہیں۔ کہدو کہ کلالہ کے بارے میں اللہ تمھیں یہ حکم دیتا ہے کہ جب کوئی ایسا شخص فوت ہوجائے کہ اس کی اولاد نہیں پر ایک بہن ہے تو اس بہن کے لئے میت کے مال کا نصف ہے۔ اور (اگر معاملہ برعکس ہو اور بہن فوت ہو تو) بھائی وارث ہوگا اس کے کل ترکے کا، بشرطیکہ اس بہن نے اولاد نہ چھوڑی ہو۔ اور اگر وہ دو بہنیں ہیں (جو کلالہ بھائی کے پیچھے رہیں) تو ان کا حصہ ہوگا کُل ترکے کا دو تہائی۔ اور اگر وارث ہوں چند (بھائی بہن) مرد و

عورت ،تو (ان میں) مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے مساوی ہوگا۔ اللہ کھول کر (یہ احکام) تمھارے لئے بیان کرتا ہے کہ تم بھٹک نہ جاؤ۔ اور اللہ ہر شئ کا علم رکھنے والا ہے۔(۱۷۷)

ربطِ کلام

یہ سورۂ مبارکہ کی آخری آیت ہے۔ سورہ کا آغاز بھی وراثت کے احکام سے ہوا تھا، اختتام بھی اسی کے سلسلے کی ایک وضاحت پر ہو رہا ہے۔ شروع کی آیتوں میں آیت نمبر ۱۲ کے تحت اُس میت کے ترکے کا حکم بیان ہوا تھا جسے کلالہ کہا جاتا ہے۔ مگر اسی کے بارے میں کچھ مزید وضاحت کی ضرورت بعد میں کسی موقع پر پیش آئی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کیا گیا تو اس پر یہ وضاحتی آیت نازل ہوئی۔ اور اس سورہ سے تکمیلی مناسبت رکھنے کی بنا پر اسے اسی کا حصہ بنا دیا گیا۔

آیت ۱۲ کو دیکھا جائے تو وہاں کا حکم اس سے مختلف ہے۔ وہاں کلالہ کی وارث بہن کو چھٹا حصہ دلایا گیا تھا۔ جبکہ یہاں مال کا نصف دلایا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ صورت کچھ اور تھی اور یہ صورت جس کا حکم یہاں بیان ہو رہا ہے وہ اور ہے۔ گزشتہ صورت کے بارے میں اہلِ علم کا فیصلہ ہے کہ وہاں میت کے اُن بھائی بہنوں کا مسئلہ تھا جو اس کے صرف ماں شریک ہوں، باپ کی طرف سے شرکت نہ ہو۔ اور یہاں وہ بھائی بہن ہیں جو باپ کی طرف سے یا ماں باپ دونوں کی طرف سے ہوں۔ اور دلیل اس کی وہی ہے کہ گزشتہ آیت میں بتایا گیا حصہ اِس آیت کے بتائے گئے حصے کے مقابلے میں کم (یعنی) تھا اور یہاں ½ ہے۔ حصے کا یہ فرق رشتے کے اسی فرق سے پیدا ہوتا ہے۔

قرآن کے الفاظ سے اگرچہ ظاہر نہیں ہو رہا کہ یہ اول الذکر حکم کی صورت سے مختلف صورت کا حکم ہے، لیکن حکم کا اختلاف واضح قرینہ ہے کہ یہ مسئلے کی ایک ½ دوسری صورت کا حکم ہے۔ روح المعانی میں آیت ۱۲ کا تعلق ایک مختلف صورت سے بتاتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ: ''مفسرین نے عام طور پر یہی رائے ظاہر کی ہے، حتیٰ کہ بعض نے اس پر اجماع بتایا ہے۔''

قرآن کے الفاظ کو دیکھتے ہوئے کلالہ سے مراد اور مطلب پر بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ لاولد مرنے کے ساتھ یہ ''بے باپ'' مرنے کی مزید شرط کہاں سے آئی جو قرآن کے الفاظ میں نہیں پائی جاتی؟ سو یہ معاملہ صحابۂ کرام کے وقت سے مختلف فیہ ملتا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کلالہ کے

مسئلے میں بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار فرماتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی آیتِ نساء کا حوالہ انھیں دیتے تھے۔ تاہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے کلالہ کا یہ مفہوم متعین ہوگیا کہ یہ وہ میت ہے کہ نہ اس کے اوپر والوں میں سے کوئی زندہ ہو، جنھیں اصول کہتے ہیں، نہ نیچے والوں میں سے، جنھیں فروع کہا جاتا ہے اور اسی کی مختصر تعبیر ہے مرتے وقت 'بن باپ و بے اولاد' ہونا[1] اور اس کی بھی دلیل آیت ہی کے اندر پائی جاتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ آیت میں کلالہ کی بہن کو ترکے کے نصف کا حقدار بتایا گیا ہے۔ فرمایا (فَلَھا نِصْفُ ما تَرک) جب کہ مسئلہ یہ ہے کہ میت کا باپ موجود ہو تو بھائی بہنوں کو کچھ نہیں ملتا۔ پس اسی آیت کے اندر سے کلالہ کے اس معنیٰ کا ثبوت نکل رہا ہے۔ اور یہی باریکیاں ہیں جن کی بنا پر قرآن فہمی کے لئے اہلِ علم کی حاجت ہوتی ہے۔

آیت میں بیان فرمائے گئے حکم کی مزید تشریح میں یہاں تفسیرِ عثمانیؒ کا حاشیہ نقل کردیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اختصار کے ساتھ کافی وشافی ہے۔ فرمایا:

> ''۔۔۔ کلالہ کے معنیٰ کمزور اور ضعیف، یہاں وہ شخص مراد ہے جس کے وارثوں میں باپ اور اولاد میں سے کوئی نہ ہو۔۔۔ کیونکہ اصلی وارث والد اور ولد ہی ہیں۔ جس کے یہ نہیں تو اس کے حقیقی بھائی بہن کو بیٹا بیٹی کا حکم ہے اور اگر حقیقی نہ ہوں تو یہی حکم (ان) سوتیلوں کا ہے جو کہ باپ میں شریک ہوں، ایک بہن ہو تو آدھا اور دو بہن ہوں تو دو تہائی۔ اور اگر بھائی اور بہن دونوں ہیں تو مرد کو دوہرا حصہ اور عورت کو اکہرا ملے گا۔ اور اگر فقط بھائی ہوں بہن کوئی نہ ہو تو وہ (مرحومہ) بہن کے مال کے وارث ہوں گے۔ یعنی ان کا کوئی حصہ معین نہیں۔ کیونکہ وہ عصبہ ہیں۔ اب باقی رہے وہ بھائی بہن جو صرف ماں میں شریک ہوں جن کو اخیافی کہتے ہیں، سو ان کا حکم شروع سورت میں فرمادیا گیا، ان کا حصہ معین ہے۔''

☆☆☆

الحمدللہ، کہ اس کی کتابِ پاک کی خدمت میں، اُسی کی توفیقِ فراواں سے، ایک حقیر قلم کا مسافر اس منزلِ سعید تک آپہنچنے کا شرف بھی، آج (۱۴ر شوال ۱۴۲۹ھ کو) پاہی گیا۔

---

[1] صحیح بخاری کی تفسیری روایت پر ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں: وَھو قول ابی بکر الصدیق اخرجہٗ ابن ابی شیبہ عنہ وجمہور العلماء من الصحابہ الخ یہی قول ہے ابوبکر صدیق کا اور جمہورِ علماءِ صحابہ وتابعین کا (فتح الباری ۸/)

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
ترتیب وپیشکش: محمد اختر معروفی

مرد اور عورت کی جذباتی ضروریات

خطبۂ مسنونہ کے بعد

وعاشروھن بالمعروف

بچوں اور بچیوں کی تربیت میں فرق

جو عورتیں اپنی زندگی میں ماں بنتی ہیں اور انھیں بچوں کی تربیت کرنی پڑتی ہے وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتی ہیں کہ بیٹی کی تربیت کا معاملہ اور ہوتا ہے، بیٹے کی تربیت کا معاملہ اور ہوتا ہے۔ بیٹی کی تربیت بہت آسان ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ محبت کرنے والی، چیزوں کو شیئر کرنے والی، ماں باپ کے اشاروں کو سمجھنے والی، صبر کرنے والی، ذرا سا دھمکاؤ تو سہم جانے والی، یہ ساری چیزیں اس کی شخصیت میں واضح نظر آتی ہیں۔ اس کے برخلاف بیٹے کی تربیت ہوتی ہے تو اس وقت totally (تجربہ) experience (بالکل مختلف) different ہوتا ہے، بچے کے اندر ایک (قوت فیصلہ) determination power ہوتی ہے، وہ اپنی (پہچان) identity بھی دکھاتا ہے، چنانچہ بہت سی باتوں میں وہ ضد بھی کرلیتا ہے، پھر دوسروں سے چھینا جھپٹی بھی کرتا ہے، اپنی موجودگی کا احساس بھی دلاتا ہے، تو مائیں حیران ہوتی ہیں کہ بچی کی تربیت کتنی آسان ہوتی ہے اور بچے کی تربیت کتنی مشکل ہوتی ہے۔

ہم نے اپنے گھر میں اس کا تجربہ کیا کہ حنانہ[1] کا ایک مرتبہ گلا خراب تھا، اس نے لالی پاپ لیا اور اس کو میں منہ ڈال لیا، میں نے کہا: حنانہ! اس کو پھینک دو، اس بچی نے اسی وقت منہ سے نکال کر اس

[1] یہ حضرت کی پوتی، چھوٹے صاحبزادے مولانا سیف اللہ کی بیٹی ہے۔ أنبتها الله نباتًا حسنًا۔ (الفرقان)

کو پھینک دیا، میں حیران ہوا کہ چھوٹی بچی ہے، اس کو میٹھا پسند ہے، ایک چیز منہ میں ڈال لی، مگر پھر کہنے پر اس کو نکال کے پھینک دیا۔ اس کے کھلونے ہوتے تھے تو یہ بچوں کے ساتھ share کرتی تھی، ایک مرتبہ گھر میں کوئی function (پروگرام) تھا، بچوں نے اس کے کمرے میں کھلونے بکھیر دئے، اودھم مچادیا، تو جب کسی نے کہا کہ بچوں نے تو تمہارے سب کھلونے خراب کردئے تو وہ کہنے لگی کہ بچے ہیں نا، تو اس کی بات پر ہم حیران ہوگئے کہ کس قدر دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے والی، بات ماننے والی، پیار محبت کرنے والی بچی ہے۔ پھر اللہ کے فضل وکرم سے سرمد[1] صاحب تشریف لائے تو اب مجھے احساس ہوا کہ اس کی شخصیت بہت مختلف ہے، چنانچہ چھینا جھپٹی کرنا، دوسروں کی ہر چیز کو اپنا بنالینا، ذرا سا کوئی کچھ کہہ دے تو بدلہ لے کے رہنا، جو بات کہہ دی اس کو کروا کے چھوڑنا، چنانچہ ہم نے اس کا نام رکھا Sarmad's property law۔ اس کے ذرا قانون بھی سن لیجئے، If I like something,Its mine. If it in my hands, Its mine.If I can take it from you, Its mine.If it was with me little while ago, Its mine. If it looks like mine, Its mine. If I saw it first, Its mine. If you put something down, Its mine. but if its broken its yours.

(سرمد کا قانونِ ملکیت: اگر مجھے کوئی چیز پسند ہے تو وہ میری ہے، اگر وہ میرے پاس ہے تو وہ میری ہے، اگر میں تم سے کچھ چھین لوں تو وہ میری ہوجاتی ہے، اگر کوئی چیز تھوڑی دیر پہلے میرے پاس تھی تو وہ میری ہے، اگر ایسا لگتا ہے کہ وہ چیز میری ہے تو وہ میری ہے، اگر میری نظر پہلے کسی چیز پر پڑ جائے تو وہ میری ہوگئی، اگر تم سے کوئی چیز گر جائے گی تو وہ میری ہوجائے گی، لیکن اگر کوئی چیز ٹوٹ جائے گی تو وہ تمہاری ہوگی ....) تو معلوم ہوا کہ بیٹے کی تربیت اور ہوتی ہے اور بیٹی کی تربیت اور ہوتی ہے۔ یہی فرق جو بچپن میں تھوڑا ہوتا ہے یہ جوانی کی عمر میں آکے اور بھی زیادہ ہوجاتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ عورت کی شخصیت totally different (بالکل مختلف) ہوتی ہے، اور مرد کی شخصیت totally different (بالکل مختلف) ہوتی ہے، حتی کہ دونوں کی ضروریات میں بھی فرق ہوتا ہے، اس لئے آج کا عنوان ہے: emotional needs ''مرد اور عورت کی جذباتی ضروریات''۔

آپ دیکھیں کہ بچوں اور بچیوں کے کھیل مختلف ہوتے ہیں، لڑکوں کو دیکھیں وہ دوڑے بھاگیں

[1] حضرت کا پوتا، حنانہ کا چھوٹا بھائی۔ بارك الله فيه۔

گے، کُشتی کریں گے، ہاتھا پائی کریں گے، شور مچائیں گے، یہ بچوں کا معاملہ ہے۔ اور بچیوں کو دیکھیں تو رسی پھلانگ لینا، hide and seek کھیل لینا، بیٹھ کر کاغذ کے اوپر کوئی گیم کھیل لینا، یہ بچیوں کی عادات ہیں۔ تو مزاج کا یہ فرق بچپن سے ہی محسوس ہوجانا شروع ہوجاتا ہے۔ جب بڑے ہوجاتے ہیں تو پھر یہی فرق اور زیادہ ہوجاتا ہے۔

عورتوں کی جذباتی ضروریات

اب مرد کی جذباتی ضروریات کیا ہیں، اور عورت کی جذباتی ضروریات کیا ہیں، اس کو غور سے سن لیں۔ ماہر نفسیات حضرات نے ۶ پوائنٹ لکھے ہیں کہ یہ مرد کی ضروریات ہیں اور ۶ پوائنٹ لکھے ہیں کہ یہ عورت کی ضروریات ہیں، چونکہ عورتوں کا مجمع ہے اس لئے ان کی ضروریات کو پہلے discuss کر لیتے ہیں۔

(۱) بیوی کی خبر گیری

سب سے پہلی چیز، جو شادی کی بعد کی زندگی میں عورت کو چاہئے ، اس کو خبر گیری یا Care کہتے ہیں، ہر بیوی چاہتی ہے کہ خاوند ایسا ہو جو میری Care کرے، میری ضروریات کا خیال کرے، میرا دھیان رکھے، میرے کام کو اپنا کام سمجھے، مجھے Own کرے، تو Care کرنا یہ عورت کی سب سے پہلی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن اکثر خاوند Care کرنے کے بجائے اس کو نظر انداز کرتا ہے، بیوی نے کوئی بات کہی کہ فلاں چیز کی ضرورت ہے تو آرام سے کہہ دیتا ہے کہ میں تو بھول گیا، یہ خاوند کی طرف سے غفلت برتنا ہے اور یہ غفلت دوری کا باعث ہوتی ہے، اس لئے کہ رب کریم نے قرآن میں فرمایا: ''وَلَا تَكُن مِّنَ الغَافِلِيْن'' کہ غافلوں میں سے نہ ہونا۔ اگر غفلت بندے اور پروردگار کے درمیان فاصلہ کر دیتی ہے تو میاں اور بیوی کے درمیان فاصلہ کرنا تو معمولی بات ہے۔ لہٰذا بیوی کے کاموں کو نظر انداز کرنا، اس کو کوئی value (اہمیت) نہ دینا، اس کی ضرورتوں کے بارے میں آرام سے کہہ دینا کہ خیال نہ رہا، مجھے دھیان نہ رہا، میں بھول گیا تو یہ carelessness (بے توجہی) سب سے پہلی بنیاد ہوتی ہے جو دلوں میں فاصلہ ڈال دیتی ہے۔

(۲) ذہنی ہم آہنگی

پھر دوسری چیز ہوتی ہے understanding، (بات کی تہ تک پہونچ جانا) کہ بیوی اگر بات

کرے تو وہ مرد اس کو سمجھ سکے کہ وہ کیوں ایسا کہہ رہی ہے، ایک دوسرے کی طبیعتوں کو وہ سمجھتے ہوں اور ایک دوسرے کے ساتھ ان کی ذہنی ہم آہنگی ہو۔ مگر ہم نے دیکھا ہے کہ مردوں کے لئے بیوی کی بات سننا سب سے مشکل کام ہے، ابھی آدھی بات اس نے کہی ہوتی ہے کہ یہ فوراً اس کا کوئی حل بتا کے خاموش ہوجاتے ہیں اور اگر وہ زیادہ تفصیل سے کہنا چاہے تو ایسے ہوجاتے ہیں کہ جیسے ایک کان سے بات سنی اور دوسرے سے نکال دی، عورت پریشان ہوتی ہے کہ میں بیوی ہوں، زندگی کی ساتھی ہوں، اس کے بچوں کی ماں ہوں، یہ تو میری بات ہی نہیں سنتا، اور بہت سی مرتبہ خاوند ایسے ایکٹ کرتا ہے کہ جیسے اسے فرصت ہی نہیں ہے، اس سے عورت کے دل پہ بہت پریشانی گذرتی ہے کہ اس کی بات اس کا خاوند کبھی سنتا ہی نہیں جس کو وہ اپنی زندگی کا ساتھی کہہ رہی ہے، اپنا محرم راز کہہ رہی ہے۔

(۳) بیوی کو عزت ملنا

تیسری چیز عورت کو عزت ملنا، Respect ملنا، اگر آپ کسی جانور کو بھی humiliate (ذلیل) کریں تو وہ بھی نفرت کرتا ہے، بچے کو humiliate کریں تو وہ بھی نفرت کرتا ہے، عورت تو ایک بالغہ ہوتی ہے، انسان ہوتی ہے تو humiliation (تذلیل واہانت) کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا، عزت کو ہر کوئی پسند کرتا ہے، چنانچہ عورت چاہتی ہے کہ میں جہاں ہوں وہاں انسان ہونے کے ناطے میری عزت ہو۔ لیکن اس میں بھی آپ دیکھیں گے کہ کئی مرد تو اور زیادہ commit blunder (بڑی غلطی) کرتے ہیں، اپنے ہی بچوں کے سامنے بیوی کو ڈانٹنا شروع کردیتے ہیں، جس باپ نے بچوں کے سامنے بیوی کو ڈانٹا وہ کیا expect (امید) کرتا ہے کہ وہ بچے کل ماں کی بات کو مانیں گے؟ یہ تو ایک بہت بڑا نقصان ہے، مگر یہ غصہ بھی عجیب مصیبت ہے کہ ذرا سی بات پہ غصہ کر لیتے ہیں اور یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہم کس کے سامنے بات کررہے ہیں، چنانچہ ماں باپ کے سامنے بیوی کو ڈانٹ دیتے ہیں، بچوں کے سامنے بیوی کو ڈانٹ دیتے ہیں، رشتہ داروں کے سامنے حتی کہ گھر کے کام کرنے والی عورتوں کے سامنے یا مردوں کے سامنے بیوی کو ڈانٹنا شروع کردیتے ہیں، اس سے دوسرے کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے، اپنا تو انسان اشتعال دکھا دیتا ہے کہ دیکھو میری پاور کتنی ہے، مگر یہ تو نہیں سمجھتا کہ دوسرے کے دل پہ کیا گذر رہی ہوتی ہے۔

(۴) شوہر کے ساتھ اپنائیت

چوتھی ضرورت devotion یعنی اپنائیت کہ خاوند ایسا ہو کہ جو مجھے اپنائے، own کرے، اس

کی میرے ساتھ ایک کمٹمنٹ (وابستگی) ہو، مجھے اہمیت ملے۔اس میں بھی آپ دیکھیں گے خاوند بجائے اس کے کہ عورت کو اپنائیت کا احساس دلائے، وہ دوسرے کام کو ترجیح دے دیتا ہے، نوکری کو ترجیح مل جاتی ہے، دوستوں کو مل جاتی ہے، بچوں کو بھی مل جاتی ہے، لیکن بیوی کا نام لسٹ میں لاسٹ کے اوپر بھی نہیں آتا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس پر اس کا دل بہت غمگین ہوتا ہے۔

(۵) عورت کے حقوق کو تسلیم کرنا

پانچویں چیز ہے عورت کے حقوق کو تسلیم کرنا، اس کو Validation کہتے ہیں۔یعنی عورت کی جو ذاتی ضروریات ہیں یا جو اس کے جائز کام ہیں ان کی اہمیت کو سمجھنا اور ان کو ignore (نظر انداز) نہ کرنا، یہ بھی اہم بات ہے۔اس معاملہ میں بھی بہت سے لوگ کوتاہی کرتے ہیں، ہم نے دیکھا کہ نیک لوگ بھی اپنی بیوی کو اپنی ماں کے رحم وکرم پہ چھوڑ دیتے ہیں۔ بھائی! آپ خاوند ہیں تو خود معاملہ کو دیکھیں، ماں کے ساتھ equation الگ بات ہے، رشتہ الگ نوعیت کا ہے، بیوی کے ساتھ پیار محبت کا رشتہ الگ چیز ہے، اب خود ایک طرف ہو کے ایک بچی کو ایک بوڑھی عورت کے سپرد کر دینا یہ کیا بات ہوئی، ہم نے دیکھا ہے کہ ساس صاحبہ کو بھی اس پر حکومت کرنے میں مزہ آتا ہے، وہ بھی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بتنگڑ بنا لیتی ہے، اپنی بیٹی وہی غلطی کرتی ہے تو نظر انداز کر جاتی ہے اور بہو سے اس سے کم درجہ کی غلطی ہوتی ہے تو talk of the town (شہر بھر کا موضوعِ گفتگو) بنا دیتی ہے، یہی کوتاہیاں گھر ٹوٹنے کا سبب بنتی ہیں، اس لئے خاوند کو چاہئے کہ عورت کو کسی تیسرے کے رحم وکرم پہ نہ چھوڑے۔ہم نے بعض دفعہ دیکھا کہ ''جوائنٹ فیملی (مشترک خاندان) ہے اور ہمارے سارے فیصلے ہمارے بڑے بھائی کرتے ہیں۔'' بھائی! کاروباری فیصلے بھلے بڑے بھائی کرتے پھریں، لیکن میاں بیوی کا معاملہ تو میاں بیوی کا ہے، اس میں بڑے بھائی کہاں سے ٹپک پڑے؟ یہ کوتاہیاں ہوتی ہیں کہ جس کی وجہ سے عورت کا دل دکھتا ہے اور میاں بیوی کے درمیان پھر فاصلے آجاتے ہیں۔

(۶) ساتھ نبھانے کی یقین دہانی

چھٹی چیز re-assurance، یقین دہانی۔عورت کے دل میں محبت رہے گی تو اس کا گھر آباد رہے گا، کیونکہ جب عورت کے دل میں یہ ڈر پیدا کر دیا جائے کہ میرا گھر ٹوٹ جائے گا تو وہ عورت کبھی بھی خوشیوں بھری زندگی نہیں گذار سکتی۔مگر اس میں بھی کوتاہی ہوتی ہے، معمولی بات پہ دوسری شادی کی دھمکی کہ

میں دوسری شادی کرلوں گا، میں دوسری بیوی لے آؤں گا، میں تمہیں گھر سے نکال دوں گا، میں تمہیں طلاق دے دوں گا، ماں باپ کے گھر بھیج دوں گا۔ یہ الفاظ زبان سے کہہ دینے تو آسان ہیں، لیکن مرد یہ نہیں سمجھتا کہ عورت جب یہ لفظ سنتی ہے کہ میں تمہیں divorce کردوں گا (طلاق دے دوں گا) تو اس کے دل پہ کیا گذرتی ہے، وہ بے چاری separate personality بن جاتی ہے۔ بلاوجہ طلاق کی دھمکی دینا اس سے بڑا blunder (حماقت) کوئی خاوند نہیں کرسکتا۔ اب یہ چھ چیزیں عورت کی ضروریات ہوتی ہیں، لیکن اگر آپ غور کریں اور معمول کی زندگی کو اگر آپ analyze (تجزیہ) کریں تو خود محسوس کریں گے کہ ان چیزوں میں بہت زیادہ کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ آج گھروں میں عورت کو یہ چیزیں نہیں ملتیں، جس کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان جھگڑے ہوتے ہیں، لڑائیاں ہوتی ہیں اور یہیں سے گھر برباد ہوتے ہیں۔ اور یہ چیز لاعلمی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے اور طبیعت کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے، اپنی غلطیوں کو چھپانے کے لئے الٹا انسان دھاک سے کام لیتا ہے۔

مردوں کی جذباتی ضروریات

جس طرح خاوند بیوی کے حقوق میں کوتاہی کرتا ہے، اسی طرح بیویاں خاوند کے حقوق میں کوتاہی کرتی ہیں، کیونکہ خاوند کی جذباتی ضروریات الگ ہیں۔

(۱) شوہر کے فیصلوں کو خوشی سے قبول کرنا

اس کو سب سے پہلے بیوی سے trust چاہئے کہ مرد اگر کوئی فیصلہ کرے تو بیوی آنکھ بند کرکے کہہ دے کہ جی ہاں مجھے آپ کا فیصلہ قبول ہے۔ مگر یہاں تو چھوٹی سی چیز طے کرنی ہوتی ہے اس میں بیوی صاحبہ کے مشورے شروع ہوجاتے ہیں، وہ اپنا I Q Level (اپنی عقلمندی) دکھانا شروع کرتی ہے، کہ آپ نے یہ چاہا، میں تو یہ پسند کرتی ہوں، کوئی کام تو آپ کا ٹھیک ہوتا نہیں، میں کیا کروں۔ لو اتنی بات عورت نے کہہ ماری لیکن خاوند کے دل میں تو یہ بیٹھا دیا کہ میرے کسی فیصلہ سے یہ خوش نہیں ہوتی، اب اس فقرہ کے اندر کتنا زہر بھرا ہوا تھا عورت کو اس کا احساس ہی نہیں ہوتا، اس کو یہ احساس ہونا چاہئے کہ اللہ رب العزت نے مرد کو بڑا بنایا ہے، اب بڑے نے جس کو بڑا بنایا یہ بھی اس کو بڑا بنا کے رکھے، چھوٹا بننے میں اس کی عزت ہے، اگر یہ خاوند کی برابری پہ اتر آئے گی تو اپنا نقصان کرے گی، امیر کو امیر نہ سمجھنا یہ بے برکتی کا ذریعہ ہوتا ہے، لہٰذا

مرد فیصلے کرلیں تو اگر اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں اور اگر تھوڑا طبیعت کے خلاف بھی ہے تو چپ کر جانے میں کیا مصیبت ہے؟ یہ کہاں لکھا ہے کہ جو فیصلہ مرد کرے لازمی طور پر اس میں رائے دینی ہے؟ لازمی crirticize (اس کی مذمت) کرنا ہے؟ اس سے مرد کا trust shake (اعتماد مجروح) ہوجاتا ہے اور پھر وہ مرد کوتاہیوں کی زندگی گذارتا ہے۔

(۲) شوہر کے مزاج کا لحاظ رکھنا

دوسری چیز جو مرد کو چاہئے اس کو acceptance کہتے ہیں، یعنی قبولیت کہتے ہیں، چنانچہ مرد زندگی گذار رہا ہے، عورت کو پیار بھی دیتا ہے، گھر کے فرد کا بھی خیال رکھتا ہے، تو اب عورت اس مرد کے چھوٹے چھوٹے معاملے کو قبول کرے، اس کی طبیعت کا بھی لحاظ رکھے، توقع رکھے کہ اس کی طبیعت rough and tough (خشک اور سخت) ہے، تو یہ کبھی سخت بات بھی کرسکتا ہے، یہ سخت لفظ بھی بول سکتا ہے تو اس پہ صبر کرلینا سب سے آسان علاج ہوتا ہے۔

(۳) شوہر کے گن گانا

تیسری چیز جو مرد کو چاہئے اس کو appreciation (شکر گذاری) کہتے ہیں کہ عورت اپنے خاوند کے گن گائے، مرد چاہتا ہے کہ اگر میں اس کو پیار محبت دے رہا ہوں تو یہ اس کے بدلے مجھے بھی appreciate کرے۔ چنانچہ جو بیویاں اپنے ساس سسر کے سامنے اپنے خاوند کی تعریف کرتی ہیں، ماں باپ کے سامنے اپنے خاوند کی تعریف کرتی ہیں، رشتہ داروں اور احباب میں اپنے خاوند کی تعریف کرتی ہیں تو وہ مرد اور زیادہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ شکایتیں شروع ہوجاتی ہیں، اب اس نے ۹۰ باتیں اچھی کیں، وہ تو یاد نہیں ہوتیں، لیکن اگر ۱۰ غلطیاں کیں تو ہر جگہ وہ دس غلطیاں ہی گنوائی جارہی ہوتی ہیں۔ ہم نے تو یہاں تک دیکھا کہ بیٹھتے ہی خاوند کی شکایتیں شروع ہوجاتی ہیں، تو جو عورت خاوند کی شکایتیں کرنے لگے وہ تو اللہ کو بھی پسند نہیں ہوتی، اس لئے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے معراج میں دیکھا کہ عورتوں کی اکثریت جہنم میں تھی، تو پوچھا گیا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! کیا وجہ؟ فرمایا کہ اس لئے کہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں، اس پر لعنت بھیجتی ہیں۔ لہٰذا یہ جو شکایتی attitude (رویّہ) ہے یہ بہت زیادہ killing (مہلک) ہوتا ہے، اس کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہئے، یہ صرف خاوند کی شکایت نہیں ہورہی ہوتی یہ اللہ رب العزت کی بھی شکایت ہورہی ہوتی ہے کہ اس

نے مجھے زندگی کا ساتھی کیسا دیا، اس لئے عورت کو سمجھنا چاہئے کہ اگر appreciate (قدر) کرے گی تو خاوند اپنے آپ کو اور زیادہ بہتر بنانے کی کوشش کرے گا۔

(۴) شوہر کی تعریف کرنا

چوتھی چیز جو مرد کو چاہئے اس کو admiration کہتے ہیں یعنی خاوند کی تعریف کرنا، مگر دیکھنے میں یہ بات آئی ہے کہ گھر کی مرغی دال برابر، کئی مرتبہ خاوند کو بھی بچوں میں سے ایک بچہ سمجھ لیتی ہیں اور اس کی بھی اصلاح کی کوشش میں لگ جاتی ہیں، جیسے ایک چھوٹے بچے کو سمجھایا جاتا ہے اس کو سمجھانے لگ جاتی ہیں، اور اپنے attitude (طرز عمل) کو وہ نہیں feel (محسوس) کرتیں کہ میں کر کیا رہی ہوں، ٹھیک ہے کسی موقع پہ کوئی مشورہ یا اصلاح کی بات بندہ کردے تو بہت اچھی بات ہے لیکن ہر وقت چھوٹے بچوں کی طرح بیٹھ کے اس کو سبق پڑھانے کی کوشش کرنا، پٹی پڑھانے کی کوشش کرنا یہ چیز مرد کے لئے قابل قبول نہیں رہتی اور ہر چیز میں عیب نکالنے کی کوشش کرنا یہ تو بہت بری بات ہے۔

بہت پہلے بھی ایک واقعہ سنایا تھا کہ ایک بزرگ تھے مگر بیوی ایسی تھی کہ اللہ توبہ!! کسی بات کو نہیں مانتی تھی، انھوں نے ایک دن دعا مانگی کہ یا اللہ کوئی ایسی بات ہو کہ یہ خدا کی بندی کچھ صبر کر جائے اور میرے ساتھ اچھا گذارا کرے، تو ان کو اڑنے کی کرامت ملی، چنانچہ وہ اڑتے ہوئے اپنے گھر کے اوپر سے گذرے، اب بیوی نے کسی آدمی کو اڑتے ہوئے دیکھا تو وہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ کیسا ولی ہے اور کیسا کامل ہے۔ جب وہ گھر آئے تو عورت نے آتے ہی کہا کہ آپ بڑے ذاکر شاغل بنے پھرتے ہیں اور بڑے مصلے کی باتیں کرتے ہیں، میں نے آج اللہ کے ایک ولی کو دیکھا وہ تو فضا میں اڑ رہا تھا، تو انھوں نے کہا کہ اللہ کی بندی وہ میں ہی تو تھا، جب انھوں نے یہ کہا کہ وہ تو میں ہی تھا تو اس اللہ کی بندی نے کہا کہ تب ہی میں سوچ رہی تھی کہ یہ ٹیڑھا ٹیڑھا کیوں اڑ رہا ہے۔ تو مقصد یہ کہ جب ماننا ہی نہیں تو کہیں نہ کہیں سے مین میخ تو نکل ہی جائے گا، اپنا خاوند عالم ہوتا ہے مگر عالم نظر نہیں آتا، مفتی ہوتا ہے مفتی نظر نہیں آتا، خاوند کی بات میں وزن ہی نظر نہیں آتا، اس کو کہتے ہیں گھر کی مرغی دال برابر، لہٰذا عورت کو چاہئے کہ مرد کو اس کا مقام دے جو شریعت نے اس کو دیا ہے۔

(۵) شوہر کے معاملات کو منظور کر لینا

پانچویں چیز جو مرد کو چاہئے اس کو کہتے ہیں approval یعنی منظوری کہ مرد کے گھر کے اندر جو

کام ہوتے ہیں مثلاً کسی بات پر اس نے اپنے بچے کو ٹوک دیا یا سختی کر دی تو یہ ضروری نہیں ہوتا ہے کہ بچوں کے سامنے ہی ماں بولنا شروع کر دے کہ آپ تو ہر بات پہ غصہ ہو جاتے ہیں، یہ بچہ ہے غلطی ہو گئی تو کیا ہوا، نہیں، اگر خاوند نے کوئی ایسا step لے لیا تو تھوڑی دیر خاموش رہیں، بچے کے ذہن میں یہ نہ ڈالیں کہ میں اس کی سائڈ لے رہی ہوں، ہاں جب الگ ہوں گے تو اس وقت اپنے میاں سے بات ڈسکس کر لیں کہ بچوں پہ اتنی سختی نہ کریں، مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ صبر نام کی چیز تو طبیعت میں ہوتی ہی نہیں ہے، اس لئے باتوں کے بتنگڑ بن جاتے ہیں، عورتیں چھوٹی چھوٹی بات پہ الزام تراشی شروع کر دیتی ہیں اور جب میاں بیوی آپس میں کوئی بات کرنے بیٹھتے ہیں تو عورت کے پاس ایک لمبی فہرست ہوتی ہے، اور پتہ ہے کہاں سے بات شروع کرتی ہے؟ وہ جس دن رخصتی ہوئی تھی اس دن ایسا ہوا تھا، وہ یہ بات اس وقت بیٹھی یاد دلا رہی ہے جب یہ پانچ بچوں کی ماں بن گئی ہے، یاد رکھیں ناکامیوں کی لمبی فہرست کو یاد رکھنا، غلطیوں کی لمبی فہرست کو یاد رکھنا اور جب کبھی موقع ملے تو پھر رخصتی کے دن سے لے کر اس کو گنانا شروع کر دینا یہ بہت بڑی کوتاہی ہے۔

(۶) شوہر کی حوصلہ افزائی

چھٹی چیز جو مرد کو چاہئے اس کو encouragmement کہتے ہیں، حوصلہ افزائی کہتے ہیں، مرد غلطی بھی کر لے لیکن عورت اگر اس کے ساتھ صبر کے ساتھ اچھے انداز سے behave کرے تو مرد کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، وہ اگر پہلے غلطی کر چکا تو آئندہ اپنی اصلاح کے لئے کوشش کرتا ہے، کہ بیوی نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ مرد کے حوصلے گھٹانے والی باتیں کرنا یہ گھر کو توڑ دینے والی چیز ہے۔ مردوں کی کوتاہیاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے عورت گھر میں دلچسپی لینا چھوڑ دیتی ہے، اسی طرح عورت کی بھی کوتاہیاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے مرد گھر سے باہر دلچسپی لینا شروع کر دیتے ہیں۔ اب یہ وہ باتیں ہیں جو ماہر نفسیات نے لکھی ہیں۔

ان میں دو بڑی باتیں ہیں کہ جو کچھ عورت کو خود چاہئے ہوتا ہے وہ مرد کو دینا شروع کر دیتی ہے مثلاً بات بات پہ میں تو اتنی care (دیکھ بھال) کرتی ہوں پتہ نہیں یہ میرے ساتھ اچھی طرح کیوں نہیں رہتے، کیئر تو آپ کو چاہئے، آپ خاوند کو کہہ رہی ہیں کہ میں کیئر اس کو دیتی ہوں، اجی! میں تو اتنی respect (عزت) کرتی ہوں مگر پھر بھی وہ میرے ساتھ محبت نہیں کرتے، بھائی respect تو آپ کو چاہئے، اس کو تو کچھ اور چاہئے، جو اس کو چاہئے ہوتا ہے وہ تو دے نہیں رہی ہیں، لہٰذا اس کا کیا فائدہ؟ مرد کو اگر trust (بھروسہ) دیتیں، acceptance (پسندیدگی) دیتیں، appreciation

(قدر و قیمت) دیتیں، approwal (منظوری) دیتیں admiration, encouragent (تعریف اور حوصلہ افزائی) دیتیں تو الگ بات تھی۔ اسی طرح مردوں کا بھی یہی حال ہے کہ اجی! میں تو اپنی بیوی کی اتنی تعریفیں کرتا ہوں مگر پھر بھی وہ میرے ساتھ محبت نہیں کرتی، بھائی! یہ تو آپ کو چاہئے تھی، بیوی کو تو respect (عزت) چاہئے تھی، care (توجہ) چاہئے تھی، devotion (محبت) چاہئے تھی، وہ تو آپ نے دی نہیں۔ تو مرد کو جو خود چاہئے ہوتا ہے وہ عورت کو دے کے سمجھتا ہے کہ یہ کیوں نہیں محبت کرتی، اور عورت کو جو خود چاہئے ہوتا ہے وہ مرد کو دے کے سمجھتی ہے کہ وہ پھر بھی محبت نہیں کرتا، لہٰذا اس چیز کو سمجھنا چاہئے کہ کس کی ضرورت کیا ہے۔ اس عاجز نے پچھلے بیان میں یہ بات سمجھائی تھی کہ پٹرول کی گاڑی ہو اور اس کو ڈیزل دیتے رہیں وہ نہیں چلے گی اور ڈیزل کی گاڑی ہو اس میں پٹرول بھرتے رہیں تو بھی گاڑی نہیں چلے گی، کیونکہ دونوں کی emotional (ضروریات) الگ الگ ہیں، لہٰذا اس کا دھیان کرنا چاہئے، اس کا خیال کرنا چاہئے۔

مردوں کی دو بڑی غلطیاں

اب اس کو اگر ہم to cut the story short (قصہ مختصر) کریں تو مرد دو[۲] غلطیاں بہت بڑی کرتے، ایک تو یہ کہ بیوی کی بات ہی نہیں سنتے اور آدھی بات سن کے ہی بولنا شروع کر دیتے ہیں اور اس کا point of view (نقطۂ نظر) سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، یہ مردوں کا بہت بڑا blunder (غلطی) ہوتا ہے۔ دوسرے بندے کے point of view (نقطۂ نظر) کو سمجھنے کی کوشش کرنا یہ بہت اچھا خلق ہے، اس لئے کہ تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ آپ کی سوچ بھی ٹھیک ہو اور اس کی بھی ٹھیک ہو، عورت جو بات کہہ رہی ہے وہ بھی کسی وجہ سے کر رہی ہے۔ تصویر کے دو رخ کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ جوتوں کے بنانے والی ایک کمپنی تھی، اس نے اپنی مارکٹنگ کے لئے دو نوجوانوں کو کسی شہر میں بھیجا کہ وہاں جا کر دیکھو کہ ہمارے جوتے مارکٹ کرنے آسان ہیں یا نہیں؟ انھوں نے جا کے دیکھا تو یہ دیکھا کہ وہاں کے لوگوں میں تو جوتے پہننے کا رواج ہی نہیں، عادت ہی نہیں تھی، تو ان میں سے ایک نے فوراً واپس میسج بھیج دیا کہ جوتوں کی مارکٹ یہاں نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ یہاں کے لوگوں کو جوتا پہننے کی عادت نہیں۔ اور ایک دن کے بعد دوسرے نوجوان نے میسج بھیجا تو اس نے اپنے منیجر کو کہا کہ یہاں مارکٹ بہت بڑی ہوسکتی ہے، اس لئے کہ لوگ جوتا ہی نہیں پہنتے، اگر ہم ان کو پہننے کے فائدے سمجھا دیں گے تو ہمارے جوتے یہاں

پورے ہی نہیں ہوسکتے۔ اب دیکھئے کہ دونوں نے اپنا اپنا point of view بیان کیا، ایک نے یہ نتیجہ نکالا، دوسرے نے وہ نتیجہ نکالا۔ اسی طرح جو بات عورت کررہی ہے اب اس عورت کا کیا point of view ہے، کیوں کہہ رہی ہے، پورے ٹھنڈے دماغ کے ساتھ اس کی بات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

کتابوں میں کہانی لکھی ہے کہ ایک حجّام تھا، اس کے پاس ایک لڑکا آتا تھا، وہ حجام سمجھتا تھا کہ یہ بہت بیوقوف لڑکا ہے، وہ اس کو ہمیشہ دو روپیہ کا بھی سکہ دیتا اور پانچ روپیہ کا بھی سکہ دیتا، تو وہ لڑکا ہمیشہ دو روپیہ کا سکہ لے کر چلا جاتا، تو وہ حجام ہنستا کہ دیکھو کتنا بیوقوف ہے، بار بار ایسا ہوتا، ایک دن وہاں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا، جب وہ لڑکا گذرا تو حجام کہنے لگا کہ میں آج بتاؤں یہ کتنا بیوقوف ہے؟ اس نے کہا ہاں، اس نے دو سکے نکالے، ایک دو روپیہ کا اور ایک پانچ روپیہ کا، اور لڑکے کو کہا کہ بچے! آ کے اس میں سے ایک لے لو تو بچے نے دو روپیہ کا سکہ لے لیا، تو اس پر وہ جو بندہ بیٹھا ہوا تھا اس نے اس سے پوچھا کہ تم نے پانچ روپیہ کا سکہ کیوں نہیں لیا؟ تو بچے نے کہا کہ انکل! جس دن میں نے پانچ روپیہ کا سکہ لے لیا it will be end of the game (اُسی دن کھیل ختم ہوجائے گا) پھر اس کے بعد یہ مجھے نہیں کہا کرے گا کہ تم آ کے لے جاؤ۔ اب ذرا سوچئے کہ حجام اس کو بیوقوف سمجھ رہا تھا، حالانکہ وہ بچہ کتنا clever (سمجھدار) تھا، کہ وہ ہمیشہ دو روپیہ لے کر ہنسنے کا موقع دیتا تھا، مگر پھر اس کو دوبارہ دو روپیہ لینے کا، موقع ملتا تھا، پتہ نہیں کتنے اس نے اس سے پانچ روپیہ لے لئے۔

لہٰذا دوسرے کا point of view (نقطۂ نظر) سمجھنے کی کوشش کرنا یہ بھی ضرورت ہوتی ہے، اور مرد یہ غلطی کرتے ہیں کہ ذرا عورت نے کوئی بات شروع کی یا تو غصہ کرلیا، یا بات ہی نہ سنی، یا دوسرے کمرے میں چلے گئے، یہ فل اسٹاپ جو لگا دیتے ہیں یہ انتہائی بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔

اب دوسری غلطی کہ بیوی کے ساتھ تنہائی کا وقت گذارنے کے لئے ٹائم نکالنا، یہ عورت کی ضرورت ہوتی ہے، بعض مرتبہ جوائنٹ فیملیز (مشترک خاندان) ہوتی ہیں یا بچے ہوتے ہیں تو ان کی موجودگی میں میاں بیوی کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ مل بیٹھ کر دل کھولیں، بات کریں، تو ایسے مواقع نکالنا یہ مرد کی ذمہ داری ہے، بھلے اس کو گھومنے پھرنے کے لئے کہیں لے کے جائیں۔ نبی علی السلام سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو ایک ایسی جگہ بھی لے کر گئے جہاں آبشار تھا، سبزہ تھا، تو حدیث پاک سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

جب نبی علیہ السلام گھر میں ہوتے تھے تو ازواج مطہرات کے الگ الگ حجرات ہوتے تھے، سفر میں تشریف لے جاتے تھے تو ان میں سے کسی بیوی کو اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے، تو میاں بیوی کو الگ

وقت نکالنا جس میں وہ مل کے بیٹھیں، کھانا کھائیں ،بات چیت کریں، یہ بھی مستقل ایک کام ہے،understanding(ایک دوسرے کو سمجھنا) بڑھتی ہے ،محبت بڑھتی ہے،الفت بڑھتی ہے،ایک دوسرے کے ساتھ انسان کو انس پیدا ہوتا ہے۔تو یہ دو باتیں مردوں کی بہت improve ہونے کی ضرورت ہے، ایک تو بیوی کی بات کو سنا کریں اور اس کا point of view سمجھنے کی کوشش کیا کریں، اور دوسرا اس کو وقت دیا کریں، موقع دیا کریں کہ وہ اپنے میاں کے ساتھ بیٹھ کر بات کرے، آپس میں محبت پیار کی باتوں کا تبادلہ ہو تو اور زیادہ دل ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے۔

عورتوں کی دو بڑی غلطیاں

عورتوں میں دو بڑی غلطیاں ہوتی ہیں،ایک تو ان کی طبیعت کے اندر کھود کرید اتنی ہوتی ہے کہ سبحان اللہ! کبھی تو جیب کی تلاشی ہو رہی ہوتی ہے، کبھی اس کے کمروں کی چیزوں کی تلاشی ہو رہی ہوتی ہے، یہ کھود کرید ہم نے دیکھا کہ یہ ٹھیک بھی ہو تو نقصان کا باعث ہوتی ہے، اس کا کیا فائدہ ہوتا ہے؟ end result (آخری نتیجہ) تو یہی ہوتا ہے کہ خاوند اگر کوئی غلطی کر رہا ہے تو پھر اس کو وہ علی الاعلان کرنا شروع کر دیتا ہے، عورت اس کا کیا بگاڑ دیتی ہے؟ تو ایسی چیزیں ممکن ہے وہ کر رہا ہو، لیکن اس کو اللہ پہ چھوڑیں، اللہ سے دعا مانگیں کہ اللہ اس کا دل بدل دے۔کھود کرید کر کے پیچھے پڑ کے ٹوہ لگا کے آپ اپنے سے خاوند کو دور ہی کریں گی ،قریب نہیں کریں گی، گو غلطی خاوند کی ہوگی مگر کھود کرید کر کے اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ الٹا آپ سے اور زیادہ دور ہوگا، لہٰذا اللہ کی ذات پہ اعتماد رکھیں اور تجسس والی عادت نہ بنائیں، ورنہ تو پھر یہ ہوگا کہ خاوند بات کیا کر رہا ہے؟ بچوں سے بھی رپورٹ لے رہی ہیں، مردوں میں کیا بات ہوئی؟ فلاں سے بھی رپورٹ لے رہی ہیں، دیوار کے پاس کھڑی ہو کے سن رہی ہیں، اس قسم کی تجسس والی بیوی کی طبیعت یہ مرد کے لئے بہت poisoning (زہریلی) ہوتی ہے، اور یہ بہت بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔

دوسری بات کہ اگر گھر کے معاملات میں خاوند کوئی فیصلہ کر دے تو عورت کو کوشش کرنی چاہئے کہ جتنا بھی مشکل ہو اس فیصلہ کو قبول کرے، حتی الوسع اس کو نا نہ کرے، ہر فیصلہ پہ نا کر دینا، ہر بات پہ نا کر دینا، یہ عورتوں کی دوسری بڑی غلطی ہوتی ہے۔اگر عورتیں اپنی ان دو غلطیوں کو ٹھیک کر لیں اور مرد اپنی ان دو غلطیوں کو ٹھیک کر لیں تو ہم نے یہ دیکھا کہ پھر زندگی بہت محبت و پیار کے ساتھ گذرتی ہے۔

☆☆☆

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی ✶

علامہ شیخ صفی الدین ہندی، اُرموی، شافعی

(حیات وخدمات کے چند گوشے)

(دوسری وآخری قسط)

شیخ صفی الدین ہندی کا مقام ومرتبہ

شیخ صفی الدین ہندیؒ کا علمی مقام بہت بلند تھا، تمام علوم اسلامیہ اور علوم عقلیہ میں ان کو مہارت تھی لیکن علم کلام اور علم اصول فقہ میں ان کا امتیاز وکمال معاصرین میں مسلم تھا، شیخ صفی الدینؒ نے ان دونوں علوم کو اپنی تدریس اور تصنیف کا خصوصی موضوع بنایا، علامہ تاج الدین سبکی طبقات الشافعیہ میں لکھتے ہیں: **اعلم الناس بمذهب ابی الحسن و ادراهم باسراره، متضلعا بالاصلین** امام ابوالحسن اشعری کے مذہب کے (اس زمانہ میں) سب سے بڑے عالم تھے اور دونوں اصول یعنی اصول فقہ اور اصول دین (علم کلام) سے سیراب تھے۔

تقی الدین ابن قاضی شہبہ نے بھی اسی طرح کی بات لکھی ہے (طبقات الشافعیۃ ج:۲،ص:۲۱۰)

صلاح الدین الصفدی نے الوافی بالوفیات میں ان الفاظ سے یاد کیا ہے: ''**العلامة الاوحد الشیخ صفی الدین الهندی الشافعی الاصول نزیل دمشق ومدرس الظاهریة وشیخ الشیوخ** (الوافی بالوفیات جلد ۳، ص: ۲۳۹)

صفدی اعیان العصر واعوان النصر (۴/ ۵۰۲) میں ان کے بارے میں کس قدر اونچے کلمات لکھتے

✶ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء وصدر معہد الشریعۃ لکھنؤ

ہیں: ''کان قیما لفن الکلام، عارفا بغوامضه التي خفيت عن السيف والإمام لو رآه ابن فورک لا نفرک او الباقلانی لقلا معرفته ووقع معه فی الدَرَک او امام الحرمین لتاخر من مقامه او الغزالی لما نسج المستصفی الاعلی منواله ولا رصفه الاعلی نظامه او ابن الحاجب لحمل العصا امامه وجعله دون الناس امامه''

مولانا عبدالحیٔ حسنی نے انہیں ان القاب سے یاد کیا ہے: ''الشيخ الإمام العالم الكبير العلامه محمد بن عبدالرحيم بن محمد الشيخ صفی الدين الشافعی الهندی الأرموی أحد مشاهير العلماء'' (نزھۃ الخواطر، ۲/ ۱۴۲) شیخ عبدالرحیم اسنوی نے یہ الفاظ لکھے ہیں، كان فقيها أصوليا متكلماً'' علامہ یافعی نے مرآۃ الجنان میں ۷۲۵ کے وفیات میں لکھا ہے'' وفيها توفی الشيخ صفی الدين محمد بن عبدالرحيم الفقيه الإمام العلامة الأصولی الشافعی نزيل دمشق... وكان فيه دين وتعبد ودرس فی الجامع وتخرج عليه أئمة وفضلاء (مرآۃ الجنان، ۴/ ۲۷۲)۔

شیخ الازہر علامہ مراغی الفتح المبین میں لکھتے ہیں'' وقد اشتهر أمره وعلا صيته وصار يستفتی فيكتب الفتاوىٰ وأقبلت عليه الدنيا فكان براً بالفقراء والمساكين وخاصة تلاميذه مع الخير والتقوىٰ والصلاح وحسن العقيدة، وقد كان رجلا ظريفاً طيب القلب، سليم النية'' (الفتح المبین ۲/ ۱۱۵)

شیخ صفی الدین الہندی کے ایک شاگرد عمر بن ابراہیم بن عمر الواسطی الشافعی جنہوں نے شیخ صفی الدین کا رسالہ الرسالة التسعينيه فی أصول الدين اپنے قلم سے نقل کیا ہے انہوں نے اس رسالہ کے سر ورق پر اپنے استاد کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے'' شيخنا الإمام العلامة صفی الدين مفتی المسلمين قدوة المحدثين، بقية المجتهدين محمد بن عبدالرحيم بن محمد الأرموی'' (نھایۃ الوصول، ۱/ ۱۲۴/ مقدمۂ محقق)

مولانا مناظر احسن گیلانی اور شیخ صفی الدین ہندی

شیخ صفی الدین ہندی کے تمام معاصر اور متاخر تذکرہ نگاروں نے بڑے بلند الفاظ میں شیخ کا تذکرہ کیا ہے، اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو یہ تحریر خاصی طویل ہوجائیگی، اس تحریر کو ہم حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے ایک طویل اقتباس پر ختم کرتے ہیں جو ان کی مشہور کتاب ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'' سے لیا گیا ہے، مولانا کے اس اقتباس سے شیخ صفی الدین ہندی کا مقام ومرتبہ بہت واضح

ہو جاتا ہے۔

''آیئے، اب چلئے اسلامی علوم وفنون کا دوسرا گہوارہ ان ہی صدیوں میں دمشق ہے، تاتاریوں کے فتنہ سے ماوراء النہر توران، ایران، عراق کے علمی مراکز برباد ہو چکے ہیں، جن ممالک تک تاتاریوں کا اثر نہ پہنچا ہے، ان میں شام اور مصر بھی ہیں، اس زمانہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ تقی الدین سبکی، شمس الدین الذہبی، ابن قیم جیسے کبار جہابذہ سے دمشق کا دارالعلوم معمور ہے، ہر طرف علم ہی کا چرچا ہے، اسی دمشق میں دینیات کی وہی تین کتابوں کے نصاب کا پڑھنے والا ایک غریب الوطن ہندی داخل ہوتا ہے، ان کا نام شیخ صفی الدین ہے، ۶۴۴ھ میں پیدا ہوئے، بالاتفاق علماء کا بیان ہے کہ ہندوستان ہی میں اخذ عن جدہ لامہ اپنے نانا صاحب سے انہوں نے تعلیم پائی۔

۲۳ رسال کی عمر تھی جب ہندوستان سے باہر نکلے، اوریمن پہنچے، اس وقت یمن میں الملک المظفر کی حکومت تھی، لیکن اس تئیس سالہ ہندی نوجوان عالم کے دل ودماغ اور علم واستعداد سے (وہ) اتنا متاثر ہوا کہ **اکرمہ واعطاہ تسع مائۃ دینار**۔ (درر کامنہ ج ۱ ص: ۱۱۲) اس نے ان کا بڑا اکرام کیا، اور نوسو اشرفیاں پیش کیں۔

طبیعت میں سیر وسیاحت کا شوق تھا، یمن سے مکہ پہنچے، مکہ میں کچھ دن قیام کر کے قاہرہ، قاہرہ سے اناطولیہ کے شہروں مثلاً قونیہ، سیواس، قیصریہ وغیرہ میں گھومتے رہے، بالآخر اس طویل سیاحت اور ہر ملک کے علماء سے ملنے جلنے کے بعد جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: **وقدم دمشق فاستوطنها** دمشق آئے اور اسی کو وطن بنالیا۔

دمشق میں درس کا حلقہ

دمشق جن علماء سے اس وقت بھرا ہوا تھا، اس کا ذکر آپ سن چکے، ان ہی علماء کے سامنے اسی مختصر دینیاتی نصاب کا عالم بیٹھتا ہے، **اورعقد حلقة الاشتغال بالجامع ودرس بالرواحية والا تابكيه والظاهريه الجوانيه وغيرها** (درر وغیرہ) بنی امیہ کی جامع میں درس کا حلقہ قائم کیا، اس کے سوا رواحیہ، اتابکیہ ظاہریہ جوانیہ وغیرہ مدارس میں بھی درس دیتے رہے۔ یعنی دمشق کی مشہور جامع اموی میں درس کا حلقہ قائم کر دیا، جو اس زمانہ کے لحاظ سے معمولی بات نہیں ہے، اور ایک جامع اموی ہی نہیں، اور بھی دمشق کے متعدد مدارس میں پڑھاتے رہے، تاج الدین سبکی نے طبقات میں ان کے متعلق یہ لکھا: **اعلم الناس بمذهب ابی الحسن وادراهم باسراره متضلعاً بالأصلين**۔ امام ابوالحسن اشعری کے مذہب کے (اس

زمانہ میں) سب سے بڑے عالم تھے، اور دونوں اصول یعنی اصول فقہ وکلام سے سیراب تھے۔ یہ سبکی کی اپنی چشم دید گواہی ہے، بہرحال اس کے بعد لکھا ہے کہ دمشق میں اس شخص نے ''شغل الناس بالعلم'' لوگوں کو علم میں مشغول کر دیا۔

ہندی عالم کی دمشق میں تصنیفات

تدریس کے ساتھ تصنیف کا سلسلہ بھی جاری تھا، سبکی ہی کا بیان ہے کہ **و من تصانیفه فی علم الکلام الزبدة و في أصول الفقه النهاية و الفائق و الرسالة السبعية و کل مصنفاته حسنة جامعة لاسیما النهاية**'' ان کی تالیفات میں سے ایک کتاب زبدہ نامی علم کلام میں ہے، اور النہایہ، اصول فقہ میں، رسالہ سبعیہ بھی ان کی ایک کتاب ہے، بہرحال ان کی ساری کتابیں بہت اچھی اور جامع ہیں، خصوصاً النہایہ۔ دمشق کے علماء اس ہندی کے علم کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے، اولاً تو اس کے لئے یہی بات کافی ہوسکتی ہے جیسا کہ سبکی ہی نے لکھا ہے: **روی عنه شیخنا الذهبی** ہمارے استاد الذہبی ان سے روایت کرتے ہیں یعنی ذہبی جیسے امام علامہ ان کے شاگرد ہیں، مگر میں نے جس مقصد کے لئے خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے، یعنی ہندی نظام تعلیم کے نتائج کو دکھانا چاہتا ہوں، کہ گھر کی مرغی خواہ جس نظر سے دیکھی جاتی ہو، دال اور دال سے بھی بدتر، لیکن اسی دمشق میں اسلامی تاریخ کا ایک اہم علمی واقعہ پیش آیا، اس وقت پتہ چلا، کہ ہندوستان کے نصاب میں کیا کرامت پوشیدہ ہے، اس واقعہ کا ذکر تقریباً عام تاریخوں میں ہے۔

ہندی عالم کا حافظ ابن تیمیہ سے مناظرہ

قصہ یہ ہے کہ ان ہی دنوں میں جب یہ ہندی عالم دمشق میں مقیم تھا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنے تبحر اور علم کے غیر معمولی بحران میں ایک خاص قسم کا طوفان اٹھائے ہوئے تھے، گویا سمجھنا چاہئے کہ ان کے علمی ہنگاموں سے سارا عالم اسلام متزلزل تھا، بلکہ ایک حد تک تو اب تک ہے، ان کی چومکھی بے پناہ تلوار اس طرح چل رہی تھی کہ معاصر علماء چیخ اٹھے، بیسیوں نئے نئے مسائل[1] پیدا کر کے اہل علم کی محفلوں میں وہ ہلچل ڈالتے رہتے تھے، ان ہی مسائل میں ایک مسئلہ ہے جو مسئلہ حمویہ کے نام سے مشہور ہے، تنگ آ کر دمشق کے

---

[1] مثلاً طلاق ثلاثہ یعنی تین طلاق تین ہے، ائمہ اربعہ کے اس مسلک کے خلاف تین ایک ہے کا نظریہ قائم کیا، ''اس نیت سے جانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کریں گے، حرام ہے'' اسی طرح صفات میں بھی قریب قریب مجسمہ کی سی باتیں کرتے تھے یوں بھی ان کے تفرادت کی ایک طویل فہرست ہے۔

علماء نے آخر حکومت کو دست اندازی پر مجبور کیا، لیکن کسی معمولی شخصیت کا سوال نہ تھا، ابن تیمیہ بہر حال ابن تیمیہ ہی تھے، مسلمانوں کے شیخ الاسلام تھے، اسلامی علوم وفنون خصوصاً حدیث ورجال وقرآن میں یہ واقعہ ہے کہ اسی زمانہ میں نہیں ان کے بعد بھی مشکل ہی سے کسی کو ان کا حریف قرار دیا جاسکتا ہے، دمشق کا امیر اس زمانہ میں امیر تنکر تھا، خاص دارالحکومت میں جس کا نام دارالسعادت تھا، اس نے اپنے سامنے شیخ الاسلام سے مناظرہ کرنے کے لئے علماء کی ایک مجلس طلب کی، ابن تیمیہ بھی بلائے گئے، السبکی نے لکھا ہے کہ: **جمعت العلماء و اشار و ابان الشیخ الھندی یحضر فحضر** علماء نے جمع ہوکر بالاتفاق فیصلہ کیا کہ شیخ ہندی کو بلایا جائے۔

جس کا یہی مطلب ہوا کہ ابن تیمیہ کے مقابلہ میں دمشق کے جو علماء بلائے گئے تھے، کسی نے اپنے اندر ان سے گفتگو کرنے کی صلاحیت نہیں محسوس کی فیصلہ کیا گیا کہ ''شیخ ہندی'' کو بلایا جائے امیر نے اسی بنیاد پر ان کو طلب کیا، سبکی نے یہ بھی لکھا ہے: **و کان الامیر تنکر یعظم الھندی و یعتقدہ** امیر تنکر ہندی کی بڑی عزت کرتا تھا اور ان کا بڑا معتقد تھا۔

ہندی عالم کا وقار علم

بہر حال ''شیخ ہندی'' بھی مجلس میں آکر شریک ہوئے، لکھا ہے کہ مناظرہ کی اس تاریخی مجلس میں **کان الھندی شیخ الحاضرین کلھم** (طبقات کبریٰ) ہندی ہی ان تمام علماء شام کا شیخ اور سردار تھا، جو اس مجلس میں موجود تھے۔

جس سے کلام کی جرأت کسی کو نہیں ہو رہی تھی، شیخ ہندی نے بے محابا ان ہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو مخاطب کیا، غالباً السبکی بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ بہر حال ان کا بیان ہے۔ اس وقت شیخ ہندی کی جو حالت تھی گویا اس کی تصویر ہے۔ **کان الھندی طویل النفس فی التقریر إذا شرع فی وجہ یقررہ لا یدع شبھۃ و لا اعتراضاً الا اشار إلیہ فی التقریر بحیث لا یتم التقریر الا و قد بعد علی المعترض مقاومتہ۔** تقریر میں ہندی بہت دراز نفس واقع ہوئے تھے، کسی پہلو پر جب تقریر شروع کرتے تو کچھ اس طرح اس کو بیان کرتے کہ جتنے شبہات یا اعتراضات کا امکان ہوسکتا تھا اپنی تقریر ہی میں اس کی طرف اشارہ کرجاتے تھے، حتی کہ جب تقریر ختم ہوتی تھی تو اعتراض کرنے والے کے لئے اس کا جواب سخت دشوار ہوجاتا تھا۔

ہندی عالم کے سامنے ابن تیمیہ

یہ تو شیخ ہندی کا حال تھا، اس کے مقابلہ میں شیخ الاسلام پر شیخ ہندی کے اس طرزِ تقریر کا کیا اثر مرتب ہوا، السبکی ہی سے وہ بھی سن لیجئے۔ **اخذ ابن تیمیة یعجل علیه علیٰ عادته وقد یخرج من شیٔ إلی شیٔ**۔ ابن تیمیہ نے حسب دستور جلد بازی سے کام لینا شروع کیا، اور ایک بات کو چھوڑ کر دوسری کی طرف نکلنے لگے (یہ کیفیت ان پر طاری ہوگئی)

گویا اپنے معلومات کی وسعت، اور ذہنی انتقال کی قوت سے ہندی کو وہ مرعوب کرنا چاہتے تھے، اور کوئی شبہ نہیں ہے کہ ابن تیمیہ کے معلومات جو درحقیقت بحر ذخار ہیں، جن کو آج بھی ان کی کتابوں میں پڑھ کر آدمی کچھ مبہوت سا ہوجاتا ہے، بات میں بات ان کو یاد آتی چلی جاتی ہے، دماغ معلومات کا خزانہ ہے، ایک کے بعد ایک چیز گویا ابلتی چلی جاتی ہے، مگر ہندی شیخ بھی ہندی تھا، ہندوستان کے اس درس کا اس کو تجربہ تھا، جس میں سارا زور اسی پر خرچ کیا جاتا ہے کہ اصل حقیقت، لفظوں کے گورکھ دھندوں میں، نگاہ سے ہٹنے نہ پائے، ابن تیمیہ کے اس انداز کو دیکھ کر شیخ صفی الدین سے نہ رہا گیا، اور باوجود ان کی جلالتِ شان کے شیخ کو کہنا پڑا۔ **ما أراک یا ابن تیمیه الا کالعصفور تزط من هنا إلی هنا**۔ ابن تیمیہ میں تمہیں نہیں پارہا ہوں لیکن اس چڑیا کی طرح جو ادھر سے پھدک کر ادھر جاتی ہے اور ادھر سے ادھر۔

ابن حجر نے درر میں شوکانی نے بدر میں شیخ ہندی کی طرف ان ہی الفاظ کو منسوب کیا ہے۔ لیکن السبکی جن کا بیان سب سے زیادہ قابل وثوق ہے، انہوں نے لکھا کہ شیخ نے کہا **ما أراک یا ابن تیمیه الا کالعصفور حیث اردت ان أقبضه من مکان خر إلی مکان آخر**۔ ابن تیمیہ میں تمہیں چڑیا کے مانند پاتا ہوں، جہاں چاہتا ہوں کہ پکڑوں، تو وہاں سے بھاگ کر دوسری جگہ چلے جاتے ہو۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام پر پھدکنے والی چڑیا کی کیفیت جو طاری ہوگئی تھی، وہ شیخ ہندی کی ان گرفتوں کا نتیجہ تھا، جن سے تڑپ کر وہ دوسری شاخ پر بیٹھنے کی کوشش کرتے تھے، شیخ وہاں بھی ان کو چین نہیں لینے دیتے، یوں ہی ''کود'' ''پھاند'' ''اچھل'' اور ''پھدک'' کا ایک سلسلہ تھا، جو جاری تھا۔

شیخ ہندی سے مناظرہ اور اس کا نتیجہ

واللہ اعلم حاصل کیا نکلا، شیخ الاسلام شیخ ہندی کے پنجوں میں گرفتار بھی ہوئے یا یوں ہی پھدکتے ہی رہے تاہم امیر تنکر نے جو یہ فیصلہ کیا، جیسا کہ السبکی نے لکھا ہے: **نودي علیه في البلاد وعلیٰ أصحابه**

وعزلوا عن وظائفهم حافظ ابن تیمیہ اوران کے شاگردوں کے متعلق سارے ملک میں اعلان کرادیا گیا اورحکومت کے عہدوں سے سب معزول کردیے گئے، یہ بھی لکھا ہے کہ ''**وحبس ابن تیمیه بسبب تلک المسئله**'' اس مسئلہ کی وجہ سے ابن تیمیہ کوجیل بھیج دیا گیا۔

اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ہندی نے آخر مضبوط پنجہ ڈالا جس سے کم ازکم امیر تنکر اور مجلس والوں کا یہی فیصلہ ہوا کہ شیخ ہندی مناظرہ میں کامیاب رہے۔ واللہ اعلم

درس نظامی کی برکات

مجھے اس سے بحث نہیں کہ واقعی اس مسئلہ میں جس میں مناظرہ ہوا تھا، حق پر کون تھا، اور نہ اس غلط فہمی میں کسی کو مبتلا ہونا چاہئے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی علمی عظمت وجلالت سے مجھے انکار ہے، بلکہ اس وقت تو صرف یہ دکھانا تھا کہ ہمارے ملک کے اس چھوٹے موٹے نصاب نے اپنے نتائج کی قیمت کہاں جا کر حاصل کی۔ اتنا تو کم ازکم سب ہی کو ماننا پڑے گا کہ اس مسئلہ یا بحث کی حد تک دمشق کے سارے علماء نے اس ہندوستانی عالم کے سامنے اپنی اپنی سپر ڈال دی۔

حالانکہ لطف یہ ہے کہ سراج ہندی میں جو طلاقت لسانی تھی، بیچارے شیخ صفی الدین اس صفت سے محروم تھے، ابن حجر وغیرہ سبھوں نے لکھا ہے کہ: **كانت فی لسانه عجمة الهنود باقية إلى أن مات** (ص: ۱۵ ج ۴) صفی ہندی کی زبان میں ہندوستانی زبان کی خصوصیت آخر وقت تک باقی تھی حتی کہ وہ مر گئے۔

یعنی بیچارے کچھ بولنے میں سراج الہندی کے مانند طرار وفرار بھی نہ تھے، لیکن وہی بات جیسا کہ انشاء اللہ آئندہ معلوم ہوگی، ہندی طریقہ درس کی جو خصوصیت ہے، گرفت کا ملکہ ان میں غیر معمولی تھا، دماغ اتنا مانجھا اور تیز کیا ہوا تھا کہ نازک سی نازک بات بھی ان سے بچ کر نکل نہیں سکتی تھی، جیسا کہ سبکی کی زبانی آپ سن چکے''۔ (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، جلد ۱، ص ۳۳۹-۳۴۵)

مولانا گیلانی کا ایک تسامح:

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی بڑے علمی مقام کے حامل تھے، تاریخ، تراجم اور تذکروں پر بھی ان کی وسیع اور گہری نظر تھی، لیکن شیخ صفی الدین ہندی کے حالات میں ان کے قلم سے ایک ایسی بات نکل گئی ہے جسے ان کا علمی تسامح ہی کہا جاسکتا ہے اور علم وتحقیق کے میدان میں کام کرنے والوں سے کچھ تسامحات کا ہوجانا بالکل حیرت انگیز نہیں، نہ ہی اس سے ان کا علمی مقام کم ہوتا ہے مولانا لکھتے ہیں:

مشہور فلسفی مؤرخ ابن خلدون جب ٹیونس سے پہلی دفعہ مصر پہنچا ہے تو قاہرہ کی شان وشوکت، علماء وفضلاء کو دیکھ کر مبہوت ہوگیا اسی سلسلہ میں اس نے قاہرہ کے چند خاص مرکزی مشاہیر کا بھی نام لیا ہے جن میں ایک ہم ''الصفی الہندی'' کو بھی پاتے ہیں، دیکھو، ج ۷، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صفی الہندی دمشق کے سوا کچھ دن مصر میں بھی رہے ہیں۔

مولانا مرحوم کی مذکورہ بالا تحریر پڑھنے کے بعد میں نے تاریخ ابن خلدون کی ساتویں جلد کی طرف مراجعت کی، وہ مقام دیکھا جہاں ابن خلدون کے قاہرہ آنے اور قیام کرنے کا ذکر ہے، لیکن کئی صفحات پڑھ جانے کے باجود مجھے شیخ صفی ہندی کا ذکر نہیں ملا، پھر جب میں نے شیخ صفی ہندی اور علامہ ابن خلدون کی تاریخ پیدائش ووفات کا موازنہ کیا تو یہ بات یقینی ہوگئی کہ کسی وجہ سے مولانا گیلانی مرحوم سے زبردست تسامح ہوا ہے، کیونکہ شیخ صفی ہندی اور علامہ ابن خلدون میں سرے سے معاصرت نہیں ہے، شیخ صفی الدین ہندی کی پیدائش ۶۴۴ھ میں اور وفات ۷۱۵ھ میں ہوئی، یہی اکثر تذکرہ نگاروں کی رائے ہے، یافعی نے ان کا سن وفات ۷۲۵ھ اور سیوطی نے ۷۵۰ھ لکھا ہے، لیکن یہ دونوں قول معتبر نہیں ہیں، درست اور راجح یہی ہے کہ ان کی وفات ۷۱۵ھ میں ہوئی، خود علامہ ابن خلدون نے اپنی پیدائش رمضان ۷۳۲ھ میں ذکر کی ہے اور مؤرخین نے ان کی وفات رمضان ۸۰۸ھ میں لکھی ہے اس کے مطابق ابن خلدون شیخ صفی الدین ہندی کی وفات کے ۱۷ رسال بعد پیدا ہوئے، لہذا اس کا کوئی امکان نہیں رہ جاتا کہ ابن خلدون کے قاہرہ آنے کے زمانہ میں شیخ صفی الدین ہندی (جن کے حالات اوپر لکھے گئے) قاہرہ میں موجود رہے ہوں، ابن خلدون کا قاہرہ پہونچنا ۷۸۴ھ میں ہوا، جب کہ شیخ صفی الدین ہندی کی وفات پر ۶۹ سال گذر چکے تھے، اس لئے اگر تاریخ ابن خلدون کے کسی نسخہ میں شیخ صفی ہندی کا ذکر ہے تو یہ کوئی دوسری شخصیت ہوگی، مشہور شیخ صفی الدین ہندی ارموی جن کا حافظ ابن تیمیہ سے مناظرہ ہوا نہیں ہوں گے۔

بعد میں عقدہ اس طرح کھلا کہ ابن خلدون نے اپنے ایک استاذ محمد بن ابراہیم ایلی (جن کی پیدائش ۶۸۱ھ اور وفات ۷۵۷ھ میں ہوئی) کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب وہ بلاد مصر پہنچے تو اس وقت وہاں تقی الدین ابن دقیق العید، ابن الرفعہ، صفی الدین ہندی، تبریزی وغیرہم معقولات اور منقولات کے شہ سوار موجود تھے (ابن خلدون جلد ۷ ص: ۳۹۱) حضرت مولانا گیلانی کو التباس ہوگیا اور اس کو انہوں نے ابن خلدون کے تذکرہ سے جوڑ دیا، لیکن ابن خلدون کے اس حوالہ سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ مصر میں بھی ان کی زندگی اس طرح گذری ہے کہ وہاں کے نمایاں ترین اہل فضل وکمال میں ان کو گنا جاتا تھا، اور تقی الدین بن دقیق العید، ابن الرفعۃ وغیرہ کی صف میں ان کا شمار تھا۔

ایک لطیفہ:

شیخ صفی الدین ہندی انتہائی سادہ متواضع اور ظریف انسان تھے، ان کا خط اچھا نہیں تھا، انہوں نے یہ لطیفہ خود بیان کیا ہے کہ قاہرہ کے بازار میں میں نے ایک کتاب دیکھی جو انتہائی خراب خط میں لکھی ہوئی تھی، اس کو میں نے زیادہ قیمت دے کر خریدا تا کہ ان لوگوں پر حجت قائم کروں جو کہتے ہیں کہ میرا خط سب سے زیادہ خراب ہے، جب اس کتاب کو گھر لا کر میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ کتاب بھی میری لکھی ہوئی ہے اور میرے پرانے خط میں ہے۔

چند اوصاف وکمالات

شیخ صفی الدین ہندی بے پناہ علمی کمالات کے ساتھ دینداری، عبادت گذاری، اوراد ووظائف کی پابندی، صلہ رحمی اور نیک کاموں میں خرچ کرنے میں بھی ممتاز تھے، ذہبی لکھتے ہیں ''کان فیه دین و تعبد وله أوراد، و کان حسن الاعتقاد علیٰ مذهب السلف'' ابن کثیر لکھتے ہیں ''و کان فیه بر و صلة'' ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں ''کان ذا دین و تعبد و إیثار و خیر و حسن اعتقاد'' ابن حجر کے مطابق وہ رات میں اوراد ووظائف کے پابند تھے، رات میں جب بیدار ہوتے وضو فرماتے، اور اپنا بہتر سے بہتر لباس پہنتے حتی کہ موزہ اور دستانہ بھی پہنتے اور اسی حالت میں نماز پڑھتے (الدرر الکامنہ، ۴/ ۱۵)

ایک نا قابل قبول بات

بعض تذکرہ نگاروں نے ان کے حالات میں بعض ایسی باتیں لکھی ہیں جو کسی طرح قابل قبول نہیں، مثلاً ابن حجر لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ انہیں صرف چوتھائی قرآن یاد تھا حتی کہ نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اَلْمَصْ کو میم کے فتحہ اور صاد کی تشدید کے ساتھ پڑھا (حوالۂ بالا) صرف چوتھائی قرآن یاد ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، لیکن اَلْمَصْ کو اَلْمَصَّ پڑھنا پرلے درجہ کی جہالت ہے جس کا تصور ایک عام ناظرہ خواں سے بھی نہیں کیا جا سکتا، چہ جائیکہ ایسے جلیل القدر محقق اور عالم کے بارے میں یہ بات کہی جائے جو امام ذہبی، حافظ ابن قیم وغیرہ کا استاذ رہا ہو اور جسے اس کے تمام معاصر محقق علماء نے حافظ ابن تیمیہ سے مناظرہ کے لئے طے کیا ہو، اسی طرح کی بات حافظ ابن تیمیہ نے ایک ثقہ کے حوالے سے شیخ شمس الدین اصفہانی کے بارے میں لکھی ہے۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ج: ۴، ص: ۹۶)

ازدواجی زندگی

شیخ صفی الدین ہندی کے حالات میں ان کی ازدواجی زندگی کا کہیں ذکر نہیں آتا کہ ان کی شادی ہوئی یا نہیں، اگر شادی ہوئی تو کہاں اور کس سے ہوئی اور ان کے کوئی اولاد تھی یا نہیں؟ ان کی زندگی کے اس اہم گوشہ کے بارہ میں تذکرہ نگار بالکل خاموش ہیں، لیکن نھایۃ الوصول فی درایۃ الاصول کے محققین نے اپنے مقدمہ تحقیق میں الرسالۃ السیفیہ فی اصول الفقہ کے مقدمہ کی جو عبارت نقل کی ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شیخ صفی الدین کے ایک صاحبزادہ تھے جن کا نام محمد تھا، ان کی فرمائش پر شیخ صفی الدین نے اصول فقہ کی ایک کتاب تصنیف کی، بہرحال شیخ کی زندگی کا یہ گوشہ تشنۂ تحقیق ہے جو محققین کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس نادرۂ روزگار مصنف ومحقق کی زندگی کے گم گشتہ حصوں کی بازیافت اور ترتیب کی کوشش کریں۔

چند اہم مراجع کی فہرست

(۱) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ تاج الدین سبکی، ج:۹، ص:۱۶۲-۱۶۴

(۲) طبقات الشافعیہ تقی الدین ابن قاضی شھبہ، ج:۲، ص:۲۴۰

(۳) الوافی بالوفیات، صلاح الدین صفدی ج:۲، ص:۲۷۱

(۴) الوافی بالوفیات صلاح الدین صفدی ج:۳، ص:۲۳۹

(۵) تاریخ ابن خلدون ابن خلدون ج:۷، ص:۳۸۹-۳۹۱، وص:۴۵۲

(۶) الانساب سمعانی ج:۱، ص:۱۱۵-۱۱۶

(۷) الدرر الکامنہ ابن حجر عسقلانی ج:۴، ص:۱۴-۱۵

(۸) معجم البلدان یاقوت حموی ج:۱، ص:۱۵۹۔

(۹) البدایۃ والنھایۃ ابن کثیر ج:۱۴، ص:۴۷

(۱۰) البدایۃ والنھایہ ابن کثیر ج:۱۳، ص:۳۶ تا ۳۹

(۱۱) مجموع الفتاویٰ، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، ابن تیمیہ ج:۳، ص:۱۶۰ تا ۲۰۹

(۱۲) مجموع الفتاویٰ، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، ابن تیمیہ ج:۴، ج:۹۶-۹۷

(۱۳) نزھۃ الخواطر، عبدالحئ حسنی ج:۲، ص:۱۴۲ تا ۱۴۴

(۱۴) نھایۃ الوصول فی درایۃ الاصول، شیخ صفی الدین ہندی (مقدمۂ تحقیق ص:۵ تا ۲۰۰)

☆☆☆

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی کی حضرت مولانا فضل علی صاحب نقشبندی سے بیعت اور خلافت واجازت کی روایت پر ایک نظر!

ہر دور میں کچھ ایسی بڑی اور باعظمت شخصیات پیدا ہوتی رہی ہیں، جو اپنے فضل وکمال، دینی اصلاحی تربیتی خدمات، ارشاد وتلقین یا تحریر وتصنیف میں کمال یا کسی اور لیاقت کی وجہ سے، ایسی شہرت ایسا مرتبہ اور امتیاز حاصل کر لیتی ہیں کہ اپنے عہد کی پہچان بن جاتی ہیں، جب اس دور کے بڑے لوگوں، بڑے خادمان دین ملت، بڑے مصلحین ومرشدین، بڑے اہل قلم اور مصنفین اور بڑے اصحاب فضل کا تذکرہ آتا ہے، تو ان کی یاد آتی ہے، ان کی خدمات کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ان کے چھوڑے ہوئے ورثہ سے تعلق اور اس کی معنویت وقدر قیمت کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ ہر ایک طبقہ کے افراد ایسے اکابر سے نسبت اور کسی طرح کی بھی وابستگی قائم ہونا، سعادت اور اعزاز سمجھتے ہیں۔ اس میں شک بھی نہیں کہ اس طرح کی نسبت اور کسی بھی صاحب نسبت، صاحب دل، متبع سنت سے قریبی وابستگی، لائق تحسین اور مفید ہوتی ہے، لیکن بعض مرتبہ اس کے لئے جو ترتیب قائم کی جاتی ہے جو سلسلہ بیان کیا جاتا ہے اور جس طرح ایک سلسلہ کو دوسرے سلسلہ سے ملایا اور ایک کڑی کو دوسری کڑی سے جوڑا جاتا ہے، وہ معاملہ بہت زیادہ قابل اعتماد نہیں ہوتا۔

ان سلسلوں کی ترتیب اور تاریخ اس کی تصدیق نہیں کرتی، تو مشکلات پیش آجاتی ہیں۔ یہ مشکلات اہل سلسلہ کو بھی ہوتی ہیں اور ان کے احوال سے ناواقف اصحاب کو بھی ہوتی ہیں اور کئی مرتبہ ایسی بے اصل باتوں کی وجہ سے، بعد میں بہت بحثیں اور اختلاف وانتشار ہو جاتا ہے، اور تاریخ تذکرہ کی معنویت سے

واقف لوگوں کو اس سے اتفاق دشوار ہوجاتا ہے، تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، اس لئے جب بھی کبھی اس قسم کی کوئی بات یا نئی اطلاع سامنے آئے، اس کی دیانت داری سے تصدیق وتحقیق ضروری ہوجاتی ہے کہ اس بے سند اطلاع کی وجہ سے سلسلہ، اہل سلسلہ اوران کے متعلقین کو، کسی دشواری کا اور بعد والوں کو، تاریخی پیچیدگی اور مغالطہ کا سامنا نہ ہو۔

گذشتہ دنوں اسی طرح کی ایک روایت یا اطلاع، تبلیغی جماعت کے حوالہ سے شہرۂ آفاق شخصیت، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی کے متعلق بھی شائع ہوئی ہے، یہ حضرت مولانا کی، مولانا فضل علی صاحب قریشی [وفات: یکم رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ، ۲۸/نومبر ۱۹۳۵ء] کے ذریعہ سے سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستگی اور مولانا محمد الیاس کو، مولانا فضل علی صاحب قریشی سے اجازت وخلافت کی اطلاع ہے مگر یہ روایت قابل قبول معلوم نہیں ہوتی، اس کے کئی پہلو تحقیق طلب ہیں۔ خیال تھا کہ اس سلسلہ میں کسی جانب سے کوئی ذمہ دارانہ تحریر یا وضاحت آئے گی اور بات صاف ہوجائے گی، مگر ابھی تک کسی جانب سے کوئی تحقیق سامنے نہیں آئی، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں تاریخ کی وضاحت اور اپنی معلومات پیش کردی جائیں۔ یہ وضاحت اسی وقت آجانی چاہئے تھی مگر مولانا قریشی صاحب کے سلسلہ کی معتبر کتابوں [جو سب ہی پاکستان میں چھپی ہیں اوران میں سے بعض کی طباعت پر، برسوں گذر چکے ہیں اوراب کم یاب ہیں] کی تلاش ودریافت اور پاکستان سے آنے میں بہت وقت لگا، اس لئے بھی اس تحریر کے لکھنے کی تاخیر ہوئی، یعنی:

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

حضرت مولانا محمد الیاس اور مولانا فضل علی صاحب کے روابط یا ملاقات کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ، حضرت مولانا محمد الیاس کے ضروری واقعات اور سنین حیات تازہ کرلئے جائیں۔ واللہ ولی التوفیق

حضرت مولانا محمد الیاس [بن مولانا محمد اسماعیل جھنجھانوی ثم کاندھلوی] ۱۳۰۳ھ [۸۶-۱۸۸۵ء] میں کاندھلہ میں پیدا ہوئے، الیاس اختر تاریخی نام ہے[1] [اعداد ۱۳۰۳ھ] وطن میں

---

[1] ہمارے خاندان میں ہر دور میں، مفصل روزنامچہ [Diary] لکھنے کا معمول رہا، جس میں بہت چھوٹی چھوٹی باتیں اور دنیا جہان کی باتیں لکھی ہوئی ہیں مگر تعجب ہے کہ کسی بھی روزنامچہ میں، حضرت مولانا الیاس کی تاریخ پیدائش درج نہیں، سنہ اور تاریخی نام ایک سے زائد موقعوں پر درج ہے۔

حافظ رحیم بخش عرف حافظ منگو صاحب سے قرآن شریف حفظ کیا، فارسی اور ابتدائی درسیات خاندان کے بزرگوں سے اخذ کیں، کبھی کبھی نظام الدین میں، اپنے والد محترم، حضرت مولانا محمد اسماعیل کے پاس بھی رہتے اور پڑھتے رہے۔ ۱۳۱۴ھ کے آخر یا شروع ۱۳۱۵ھ [۱۸۹۷ء] میں اپنے بڑے بھائی، مولانا محمد یحییٰ کے ساتھ گنگوہ بھیج دیئے گئے، وہاں رہ کر مولانا یحییٰ سے پڑھنا شروع کیا، مولانا محمد یحییٰ کا طریقۂ تعلیم نہایت مفید اور طالب علموں کی صلاحیتوں کو جلا دینے، نمایاں کرنے والا تھا۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب سے متوسطات کی تکمیل کے بعد، ۱۳۲۶ھ [۱۹۰۸ء] میں دیوبند حاضر ہوئے، شیخ الہند کے حلقہ درس میں، سنن ترمذی اور صحیح بخاری کی سماعت کی، اس کے کئی سال بعد مولانا محمد یحییٰ سے صحاح ستہ کی سماعت وقرأت کا موقع ملا۔

گنگوہ کے قیام میں حضرت مولانا گنگوہی سے بیعت ہوئے اور حضرت مولانا کی صحبت وبرکات سے استفادہ کرتے رہے، حضرت مولانا گنگوہی کی [وفات: ۱۳۲۳ھ، ۱۹۰۵ء] کے بعد، شیخ الہند مولانا محمود حسن سے بیعت کی خواہش کی، حضرت مولانا نے ، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی [وفات: ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ ستمبر ۱۹۲۸ء] سے وابستگی کا مشورہ دیا، اس پر عمل کرتے ہوئے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت ہوئے اور اصلاح وتربیت کے بعد اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ جہاں تک معلوم ہے مولانا محمد الیاس صاحب، اس کے بعد نہ کسی سلسلہ میں کسی اور مرشد سے وابستہ ہوئے، نہ ہی حضرت مولانا کو کسی اور طریقہ سے خلافت واجازت کی معتبر اطلاع موجود ہے۔

شوال ۱۳۲۸ھ [اکتوبر ۱۹۱۰ء] میں مظاہر علوم سہارنپور میں، مدرس مقرر ہوئے تھے، اپنے بڑے بھائی مولانا محمد میاں جھنجھانوی کی وفات [۲۵ / ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ، ۸ / فروری ۱۹۱۸ء] کے بعد، مولانا کے اہل تعلق کے اصرار اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے مشورہ پر، مظاہر علوم سے ایک سال کی چھٹی لے کر، نظام الدین میں عارضی قیام کے خیال سے، سہارنپور سے رخصت ہوئے، کاندھلہ پہنچ کر بیمار ہوگئے، ۲۰ / جمادی الاول ۱۳۳۶ھ [۴ / مارچ ۱۹۱۸ء] کو کاندھلہ پہنچے تھے، تقریباً چار مہینے بیمار رہے، صحت ہوئی تو نظام الدین میں، اپنے والد ماجد اور بھائی کے، کام کو دیکھنے، جاننے اور فی الجملہ سنبھالنے کے لئے، کاندھلہ سے نظام الدین کے لئے روانہ ہوگئے۔ یہ حضرت مولانا کا نظام الدین کا وہ سفر تھا، جو مولانا کے بنگلہ والی مسجد میں مستقل قیام کا ذریعہ ثابت ہوا، کاندھلہ سے [حضرت مولانا کے برادر نسبتی]

مولانا احتشام الحسن کاندھلوی بھی، مولانا محمد الیاس کی، نظام الدین میں تنہائی کے خیال اور مولانا سے پڑھنے کے لئے، تقریباً اسی وقت نظام الدین چلے گئے تھے، جو اس دن سے حضرت مولانا کی وفات کے دن تک، سفر وحضر میں مولانا کے رفیق وہم قدم رہے۔

دہلی پہنچ کر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے، اپنے والد ماجد اور برادر گرامی کے علمی اصلاحی کام کو سنبھالا، میوات میں جگہ جگہ مکتب قائم تھے، [1] مولانا محمد میاں صاحب نے بیس بائیس گاؤں میں مسجدیں تعمیر کرائی تھیں، ان کے مصارف کا بھی خود ہی انتظام فرماتے تھے، اور بھی اصلاحی کام تھے، ان کے علاوہ بنگلہ والی مسجد کا مدرسہ، بذات خود ایک ادارہ اور مولانا کے تمام کاموں کا مرکز تھا، وہاں پہنچ کر ان تمام کاموں کی آبیاری اور ترقی کے لئے مسلسل کوشش کرتے رہے، ساتھ ہی اہل دہلی کی اصلاح اور دینی رہنمائی کے لئے، مختلف منصوبے سوچتے، اور بہتر سے بہتر نتائج حاصل کرنے اور ان سب کو دین کی راہ پر لگانے کے لئے، ایک کے بعد ایک متعدد تدبیریں آزماتے رہے، جس میں ایک کام، فقہ وفتاویٰ کا بھی تھا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب معتمد مفتی تھے، دہلی اور میوات میں حضرت مولانا کے فتاویٰ کا احترام کیا جاتا تھا، دہلی کے چند اخبارات ورسائل، مولانا محمد الیاس کے بعض فتوے اہتمام سے شائع کرتے تھے، بعض فتوے اشتہار کی صورت میں بھی چھپے۔ [ایسے چند فتوے راقم کے پاس موجود ہیں]

جب حضرت مولانا سہارنپور سے نظام الدین منتقل ہوئے، اس وقت حضرت مولانا خلیل احمد سے اجازت مل چکی تھی، دہلی میں حضرت مولانا نے اس طرف بھی بھرپور توجہ فرمائی، ذاتی اذکار واشغال، مجاہدات ومراقبات کے علاوہ، حضرت مولانا سے بیعت ہونے والوں، استفادہ کرنے والوں اور مولانا کی تعلیم وتربیت سے، راہ سلوک میں تیزی سے آگے بڑھنے والوں کی خاصی تعداد تھی۔ مولانا کے فیض صحبت سے، ان میں جو تبدیلی آئی اور عرفان سلوک کی جو کیفیات پیدا ہوئیں اور جو روحانی ترقیات شروع ہوئیں، ان سے خود حضرت مولانا بھی حیران رہ گئے تھے۔ حضرت مولانا نے خود ایک موقع پر فرمایا:

> اس کے بعد ایک وقت آیا، جب کہ میرے حضرت نے مجھ کو اجازت دیدی تھی، تو میں نے طالبین کو ذکر کی تلقین شروع کی، اور ادھر میری توجہ زیادہ ہوئی، اللہ کا کرنا، آنیوالوں پر اتنی جلدی کیفیات اور احوال

---

[1] جب حضرت مولانا الیاس [۱۳۳۶ھ، ۱۹۱۸ء] میں پہلی مرتبہ، اپنے دادا، اور بڑے بھائی کے ورثہ اور خدمات کے بقاء اور نگرانی کے ارادہ سے نظام الدین پہنچے، اس وقت میوات میں مولانا الیاس، ان کے بڑے بھائی اور والد کے قائم کئے ہوئے، ستر مکتب موجود تھے، جو کام کررہے تھے، [۱۳۴۸ھ۔ ۱۹۳۰ء میں] تبلیغی کام شروع ہونے کے بعد، ان میں خاصا اضافہ ہوا تھا۔ عموماً کمی نہیں ہوئی۔

کا ورود شروع ہوا اور اتنی تیزی کے ساتھ حالات میں ترقی ہوئی، کہ خود مجھے حیرت ہوئی۔ [1]

اگرچہ حضرت مولانا محمد الیاس کے حیات کے آخری دور میں تبلیغی کام کی ترقی اور پذیرائی کے لئے، حضرت مولانا کی فکر اور مسلسل مصروفیات، بہت بڑھ گئی تھیں، لیکن سلوک و معرفت کی شاہ راہ اس وقت بھی، اسی طرح پرنور اور مسلسل روشن رہی اور حضرت مولانا کے متوسلین کی ایک بڑی تعداد، اسی پر سرگرم سفر رہی۔

ان لوگوں کی راہ طریقت میں رہنمائی کے لئے، حضرت مولانا نے ابتدائی تعلیمات سلوک اور اپنا طریق تربیت، ''اسلامی زندگی'' کے نام سے، اپنے نائب و ترجمان، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی سے کتابی صورت میں مرتب اور قلم بند کرایا تھا، ان ہی دنوں میں مولانا احتشام الحسن صاحب نے، حضرت مولانا کا شجرہ سلوک و بیعت بھی مرتب کر کے، شجرۂ طیبہ کے نام سے شائع کر دیا تھا، [2] یہ شجرہ اور کتابچہ تعلیمات [اسلامی زندگی] کبھی کبھی خود حضرت مولانا الیاس صاحب بدست خود، اپنے خاص متوسلین کو عنایت فرما دیا کرتے تھے۔ یہ شجرہ سلوک اور مجموعہ ہدایات و تعلیمات، یعنی ''اسلامی زندگی'' دونوں علیحدہ علیحدہ اور یک جا بھی، حضرت مولانا کی حیات میں دو تین مرتبہ چھپے، حضرت مولانا کی وفات کے بعد بھی شائع ہوئے، یہ تمام اشاعتیں یکساں ہیں، ان میں سے کسی طباعت و اشاعت میں بھی، مشائخ طریقت کے ناموں، شجروں اور ترتیب میں، کسی طرح کی بھی ترمیم، تغیر اور اضافہ نہیں کیا گیا،- جو اس کی علامت و نشانی ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا، صرف یہی ایک سلسلہ اجازت طریقت تھا، حضرت مولانا، تا حیات اسی کے مطابق اجازت دیتے اور اعلان فرماتے رہے۔ حضرت مولانا یا ان کے متوسلین میں سے کسی نے بھی، حضرت مولانا کی کسی اور اجازت بیعت کا، کسی اور شیخ طریقت سے وابستہ ہونے، یا اجازت و خلافت کا، کبھی تذکرہ نہیں کیا۔

حضرت مولانا الیاس آخر میں ہمہ تن، تبلیغی جدوجہد میں مصروف ہو گئے تھے۔ حضرت مولانا

---

[1] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ص: ۲۹۵، ۲۹۶ [اشاعت دینیات، نظام الدین، دہلی: بلا سنہ]

[2] شجرۂ طیبہ کی تین طباعتیں راقم کے پاس محفوظ ہیں، جس میں سے دو، حضرت مولانا کی حیات میں چھپی تھیں، اور ایک غالباً، وفات کے فوراً بعد کی مطبوعہ ہے۔ اسی طرح ''اسلامی زندگی'' بار، بار چھپتی رہی، کم سے کم تین طباعتیں، حضرت مولانا کی حیات کی ہیں، بعد میں بھی کثرت سے چھپی، کئی طرح کے ایڈیشن آئے، اس کی کثرت طباعت اور مقبولیت کا، اس سے اندازہ کیجئے، کہ یہ کتابچہ چھوٹے، جیبی سائز [Pocket book] میں بھی کئی مرتبہ چھپا۔

کی حیات میں تبلیغی کام، اگر چہ بہت عام تو نہیں ہوا تھا، مگر اہل علم اور دردمند اصحاب میں اس کا چرچا اور تذکرہ خوب تھا، اس سے وابستگی کی کوشش اور اس طرز پر کام کرنے کی تمنا پائی جاتی تھی۔

حضرت مولانا محمد الیاس نے، اپنی زندگی کے آخری تقریباً دس سال، اسی جدوجہد میں بسر کئے، ان خدمات ومصروفیات کی وجہ سے حضرت مولانا کا، دہلی وغیرہ اور ملک کے مختلف حصوں میں خاصا تعارف تھا، ممتاز اہل علم وکمال کی محفلوں میں، حضرت مولانا کا خاصے احترام سے نام لیا جاتا تھا، مگر تبلیغی اہتمام وانہماک کے اس دور میں بھی، ان اذکار واشغال پر، جو مولانا کو حضرت مولانا خلیل احمد اور مشائخ سلسلہ سے حاصل ہوئے تھے، پورا عمل کرتے تھے۔ مولانا سے بیعت وارادت کا سلسلہ بھی وسیع تھا، بڑے مشائخ عصر میں، مولانا محمد الیاس کا نام بھی شمار کیا جاتا تھا۔

حضرت مولانا سے ہزار ہا افراد بیعت ہوئے، بعض کو حضرت مولانا نے باقاعدہ سلوک طے کرایا اور متعدد اصحاب کو اجازت بیعت سے نوازا۔ خلفاء میں سب سے پہلا نام، حافظ مقبول حسن گنگوہی [وفات: ۱۴/ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ، ۲۸/ جولائی ۱۹۸۰ء] کا ہے، ان کے بعد مولانا احتشام الحسن کاندھلوی [وفات: ۱۳۹۱ھ ۱۹۷۱ء] اجازت سے نوازے گئے۔ وفات سے دو دن پہلے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے، مزید چار اصحاب کے لئے اجازت کا اعلان فرمایا، کہ مجھے ان پر اعتماد ہے، ان کو میری طرف سے اجازت بیعت ہے اور ان سب مجازین بیعت میں سے، جس پر اہل قلب ونظر کا اعتماد واتفاق ہو، ان کو میرا قائم مقام، تبلیغی کام کا نگراں اور سرپرست مقرر فرماویں۔ وہ چاروں یہ تھے:

۱) قاری سید حسن رضا دہلوی ثم بھوپالی [وفات: ۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ، ۱۶/ ستمبر ۱۹۴۸ء]
۲) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی [وفات: ۱۳۸۴ھ، ۱۹۶۵ء]
۳) قاری محمد داؤد صاحب میواتی [وفات: ۱۴/ رجب ۱۳۸۹ھ، ۲۸/ ستمبر ۱۹۶۹ء]
۴) حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی [وفات: ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۵ء]

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری، حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے، حضرت مولانا محمد یوسف کو، حضرت مولانا محمد الیاس کا نائب وجانشین مقرر کیا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے اس انتخاب کو پسند کیا اور اس سے مکمل اتفاق کیا، یہ دن گذارنے کے بعد اسی رات میں جو شب پنجشنبہ تھی، صبح صادق کے قریب ۲۲/ رجب ۱۳۶۳ھ، ۱۳/ جولائی ۱۹۴۴ء کو،

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

مولانا محمد الیاس صاحب کے کسی قدر تفصیلی حالات سے یہ معلوم ہوجاتا ہے، کہ تعلیم پوری ہونے کے بعد، حضرت مولانا کی زندگی کے تین دور یا اہم پڑاؤ تھے: پہلا جب وہ مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس تھے۔ دوسرا: سہارنپور سے نظام الدین منتقلی کے بعد سے تبلیغی کام کے عروج وفروغ تک۔ تیسرا: تبلیغ کی پذیرائی سے وفات تک۔ ان تینوں مرحلوں میں سے کسی دور میں بھی، حضرت مولانا گم نام اور غیر متعارف نہیں تھے۔ تبلیغی کام کی پذیرائی کے ساتھ، حضرت مولانا کا نام ملکوں ملکوں گونج گیا اور اب تو حضرت مولانا کو مشاہیر مشرق بلکہ اشہر مشاہیر مشرق میں شمار کیا جاتا ہے۔

لیکن ان تینوں زمانوں میں کسی وقت بھی اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا، کہ مولانا الیاس صاحب سلوک ومعرفت میں، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے علاوہ، کسی اور سلسلہ یا شیخ طریقت سے بھی وابستہ ہوئے تھے، یا مولانا کے لئے اجازت وخلافت میں، خاندان کی نسبتوں اور حضرت مولانا خلیل احمد کے علاوہ، کسی اور شیخ کا نام اور اثر بھی شامل، یا کارفرما رہا تھا۔

حضرت مولانا کے فرزند گرامی مرتبت، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی [وفات: ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۵ء] اور مولانا انعام الحسن [وفات: ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۵ء] پر متعدد کتابیں اور اپنے اپنے موقع پر، رسالوں کے خاص نمبر شائع ہو چکے ہیں، حضرت مولانا الیاس صاحب کے اور خلفائے کرام بھی غیر متعارف نہیں رہے، ان کے احوال وسوانح، افادات، ارشادات، مواعظ وتقاریر اور ان سے وابستہ ہونے، استفادہ کرنے والوں کی، بیسوں تحریریں مضامین اور یادداشتیں شائع ہو چکی ہیں، ان میں کہیں بھی، اس کا ذکر بلکہ اشارہ تک نہیں آیا کہ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے اجازت وسلسلہ میں، کوئی اور نسبت بھی شامل اور جڑی ہوئی ہے، یا مولانا محمد الیاس، حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کے علاوہ، کسی اور کے بھی مجاز ومستفید تھے۔

راقم سطور نے، حضرت مولانا کے خلفائے کرام میں سے، قاری حسن رضا صاحب کے علاوہ، حضرت مولانا کے جملہ خلفائے کرام کو خوب دیکھا ہے، حضرت مولانا الیاس کی صحبتوں سے مستفید، میوات کے خدا رسیدہ افراد نیز حضرت مولانا سے بیعت اور ذاتی تعلق رکھنے والے، متعدد اصحاب سے راقم سطور کو کم زیادہ نیاز حاصل رہا ہے۔ ان میں سے اکثر سے راقم نے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب، ان کے برادر

بزرگ مولانا محمد میاں نیز تبلیغ ،اور مرکز تبلیغ کی نسبت معلومات حاصل کیں،سوالات بھی کئے، ان سب سے بڑھ کر، میرے تایا، مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی تھے، وہ بارہ سال کی عمر میں، اس وقت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی رفاقت کے لئے، نظام الدین گئے تھے، جب مولانا الیاس صاحب ، اپنے بڑے بھائی مولانا محمد میاں صاحب کی وفات کے بعد،[پہلی مرتبہ، لمبے مگر عارضی قیام کی نیت سے] نظام الدین گئے تھے۔ مولانا احتشام الحسن صاحب اس وقت سے، حضرت مولانا محمد الیاس کی وفات تک، سفر وحضر، تبلیغ کے ہر اک منصوبہ، نظام عمل اور ہر اک کام میں، ایک جان دو قالب کی طرح، حضرت مولانا کے رفیق وہم قدم اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے الفاظ میں: قوت بازو بنے رہے۔ حضرت مولانا کی زندگی کی تمام مصروفیات، معمولات خدمات، جملہ خاص وابستگان ومنتسبین، خلوص کا رشتہ رکھنے والے احباب، اور ملنے جلنے والے سبھی لوگ، مولانا احتشام الحسن صاحب کے علم اور رابطہ میں تھے، لیکن ہمہ وقت کی اس لمبی رفاقت اور حضرت مولانا سے وسیع ترین واقفیت کے باوجود، مولانا احتشام الحسن صاحب نے اپنی کسی بھی تالیف وتحریر میں اس کا تذکرہ نہیں کیا، کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے بعد، کسی اور سے بھی بیعت ہوئے تھے یا حضرت مولانا کو کسی اور سے بھی اجازت وخلافت ملی تھی۔

اس پر بھی غور کیجئے کہ مولانا فضل علی اور حضرت مولانا محمد الیاس دونوں کے ساتھ، دو، دو ایسے علماء واصحاب کا تذکرہ آتا ہے کہ ان دونوں میں ایک ایک تو، دونوں کے شب وروز کے رفیق اور سفر وحضر کے ساتھی تھے اور ایک ایک ایسے، کہ جو ان حضرات میں سے ہر اک کے متعلق، ہر طرح کی ڈھکی چھپی، معلومات اور ان کی ذاتی، اجتماعی، ملی مصروفیات وخدمات کے، ہر اک گوشہ سے، سب سے زیادہ، سب سے بڑھ کر واقف تھے۔ مولانا فضل علی کی خدمات اور ہمہ وقت رفاقت کا، مولانا عبدالمالک صدیقی کو موقع ملا، اور مولانا محمد الیاس صاحب کی ایسی ہی رفاقت اور ان کے ساتھ سفر میں ساتھ رہنے کی توفیق، مولانا احتشام الحسن صاحب کو میسر آئی۔

مولانا فضل علی قریشی اور ان کے سلسلہ کے اجازت یافتگان اور خواص کی جملہ معلومات اور جزئیات احوال کی وسیع واقفیت میں، مولانا زوار حسین صاحب بہت ممتاز، اور اس حوالہ سے اور تمام لوگوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس کی زندگی کے سفر، ان کے رفقاء، معاونین اور متعلقین

کے متعلق، وسیع ترین چھوٹی بڑی معلومات میں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، تمام واقفین سے فائق تھے۔ مگر ان دونوں بزرگوں، یعنی [مولانا فضل علی قریشی اور حضرت مولانا محمد الیاس] کی ملاقات اور خلافت واجازت کے قصہ کا، حضرت مولانا زکریا تذکرہ کرتے ہیں، نہ مولانا زوار حسین شاہ۔ اگر اس روایت کی ذرا بھی کچھ حقیقت ہوتی اور اس میں صداقت کا معمولی سا بھی شائبہ ہوتا، تو ان چاروں میں سے کوئی نہ کوئی اس کا ضرور تذکرہ کرتا، یہ بے خبری اس واقعہ کے عدم وجود اور فرضی ہونے کی گواہی دے رہی ہے۔

مولانا الیاس صاحب کی حیات تک، مولانا احتشام الحسن صاحب کو، مولانا محمد الیاس کی زبان، ترجمان اور تبلیغی کام کا دماغ سمجھا جاتا تھا۔ تبلیغ کے مقصد اور تعارف کے لئے سب سے پہلے مولانا احتشام الحسن صاحب کا قلم حرکت میں آیا، مولانا احتشام الحسن صاحب نے ہی، حضرت مولانا کی تعلیمات سلوک اور حضرت مولانا کے متوسلین کے لئے، شجرہ مرتب کر کے شائع کیا تھا، حضرت مولانا خود بھی یہ شجرہ اور سلوک کا دستور العمل، اپنے خاص متوسلین کو عنایت فرمایا کرتے تھے۔ اس شجرے میں اگرچہ چشتی، صابری، نقشبندی، سہروردی تمام سلسلوں کا ذکر ہے مگر یہ تمام سلسلے صرف حضرت خلیل احمد صاحب کے ذریعہ سے ہیں، مولانا فضل علی صاحب اور ان کے سلسلہ سے استفادہ اور اجازت کا، اس مطبوعہ شجرہ، یا حضرت مولانا محمد الیاس سے متعلق، کسی بھی تحریر میں، کہیں تذکرہ نہیں آیا۔

مولانا احتشام الحسن صاحب کے چھوٹے بھائی، مولانا اظہار الحسن [ولادت: ۱۳۴۷ھ، ۱۹۱۹ء، وفات: ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۶ء] اور حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب مدظلہ [ولادت: ۱۳۴۰ھ، ۱۹۲۲ء] [یہ تینوں، حضرت مولانا الیاس کے برادر نسبتی بھی تھے] زمانہ تعلیم میں، گھر کے فرد اور طالب علم کی حیثیت سے، دو تین سال تک، مسجد بنگلہ والی، نظام الدین دہلی میں، مقیم اور دن رات، حضرت مولانا الیاس کے جملہ معمولات ومشغولیات سے واقف، گفتگوؤں اور مجالس میں شریک رہے۔ حضرت مولانا ان سے سب طرح کی باتیں کرتے تھے اور اللہ کے فضل وکرم سے، دونوں کو، یہ سب باتیں یاد بھی خوب تھیں، یہ دونوں ان باتوں کو نقل بھی کرتے رہتے تھے، مگر ان دونوں کی ایسی باتوں میں، کبھی بھی، مولانا فضل علی کا نام نہیں آیا۔ میرے والد ماجد، [حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب مدظلہ] فرماتے ہیں کہ: ہم نے حضرت مولانا سے،

مولانا فضل علی کا نام بھی نہیں سنا۔[1]

یہ تو حضرت مولانا محمد الیاس ان کے ملفوظات ومکتوبات اور ان کے متعلقات اور خلفاء کے احوال وسوانح اور روایات کی بات تھی، تاہم اس روایت کو اس پہلو سے بھی دیکھ لینا ضروری ہے، کہ خود مولانا فضل علی قریشی اور مولانا فضل علی صاحب کے خلیفۂ خاص اور جانشین، مولانا عبدالمالک صدیقی صاحب، اور مولانا عبدالغفور مہاجر مدنی کی، دہلی، مغربی یوپی، مشرقی پنجاب اور ہریانہ وغیرہ میں شہرت تھی، مولانا عبدالمالک صاحب اور مولانا عبدالغفور نقشبندی [بعد میں، مہاجر مدنی] سے استفادہ کرنے، مولانا سے بیعت ہونے اور مولانا کی خدمت میں آنے والوں کی تعداد، مولانا فضل علی کے متوسلین سے بہت زیادہ تھی، نیز اس نواح کے اکثر علمائے کرام اور مشائخ، خصوصاً وابستگان سلسلہ امدادیہ نیز دیوبند، سہارنپور اور دہلی کے علماء کے علاوہ، حضرت مولانا محمد الیاس، مولانا محمد یوسف، تبلیغی اصحاب، نیز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سے، بہت روابط تھے، یہ دونوں ان سب حضرات کی خدمات میں اور یہ حضرات بھی موقع بہ موقع، ان دونوں سے ملاقات کے لئے، آتے جاتے رہتے تھے۔ مغربی یوپی کے مختلف مقامات کے ہزاروں افراد، مولانا عبدالمالک کے دامن تربیت سے وابستہ تھے، خصوصاً ضلع بجنور اور اس کے قصبات واطراف میں، مولانا فضل علی قریشی اور مولانا عبدالمالک کے وابستگان کی بڑی تعداد تھی، جس میں سے اب بھی چند افراد موجود ہیں۔ بعض نے مولانا عبدالمالک صاحب کی سرپرستی میں ۔۔۔۔۔۔۔ سیر سلوک کی ہے، یا مولانا عبدالغفور صاحب سے عرصہ تک وابستہ رہے ہیں، مگر دونوں قسم کے افراد میں سے، ایک بھی شخص، مولانا فضل علی صاحب سے، حضرت مولانا محمد الیاس کی بیعت اور اجازت وخلافت کے قصہ سے واقف نہیں ملا۔

مولانا فضل علی نیز ان کے اسلاف اور اخلاف سب کی، دہلی اور وہاں کے علماء اور مشائخ کرام سے واقفیت تو تھی ہی، کیوں کہ یہ سلسلہ، مولانا شاہ سعید مجددی دہلوی اور حضرت شاہ غلام علی کے واسطہ سے، سلسلہ مجددیہ سے جڑا ہوا ہے، اس لئے سب کا دہلی آنا جانا لگا رہتا تھا، اور اس خانوادہ کے علماء اور مشائخ کی

---

[1] حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کو ابتدائی درسیات میں، مولانا محمد الیاس سے تلمذ بھی ہے۔ اس زمانہ میں، حضرت مولانا الیاس صاحب، نظام الدین دہلی میں واقع ہمایوں کے مقبرہ کے قریب ایک خاص گوشہ میں، چاشت کے وقت سے تقریباً ظہر کی نماز تک، سب سے علیحدہ تنہائی میں، مصروف عبادت رہا کرتے تھے، کبھی کبھی ظہر کی نماز بھی وہیں ادا کرتے تھے۔ وہاں صرف ہمارے والد محترم، حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب اور مولانا اظہار الحسن کو جانے کی اجازت تھی، ۔۔۔۔ والد صاحب ہی اکثر حضرت مولانا کا دوپہر کا کھانا لے کر جاتے تھے۔

وجہ سے اور حضرات سے بھی تعارف، ملاقاتیں اور استفادہ رہتا تھا۔ یعنی مولانا فضل علی قریشی اور ان کے خلفائے کرام کے لئے، دہلی اور اس کے قرب وجوار کی بستیاں اور اہل فضل وکمال، اجنبی اور غیر متعارف نہیں تھے۔

مولانا فضل علی کا دہلی کا، غالباً پہلا سفر، اپنے پیر ومرشد مولانا سراج الدین کی ہمراہی میں ہوا تھا، اسی سفر میں، دہلی میں مولانا سراج الدین نے، مولانا فضل علی کو خلافت سے نوازا تھا[1]، اس کے بعد بھی مولانا دہلی آتے رہے، اس دوران دہلی سے اطراف کے معروف علماء، مشائخ اور اہل کمال سے ملاقات واستفادہ کے لئے، دیوبند، سہارنپور وغیرہ خصوصاً کھاری ضلع بجنور کے بار بار سفر ہوئے، کھاری میں مولانا فضل علی کے مستفیدین کی بڑی تعداد تھی۔

ان علاقوں کے سفر میں مولانا مفتی کفایت اللہ، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا قاری محمد طیب، مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا تھانوی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ سے جو ملاقاتیں ہوئیں، مولانا فضل علی صاحب نے ان تمام علماء کرام کا اور ان حضرات نے مولانا فضل علی سے، جو احترام اور خاص نیازمندی کا جو معاملہ فرمایا ہے، اس کا مولانا کی سوانح، خصوصاً مولانا عبدالمالک کے مجموعہ ارشادات تجلیات میں، اور مولانا فضل علی کی سوانح مقامات فضلیہ میں موقع بہ موقع تذکرہ ہے، ان کو پڑھئے دیکھئے، تو معلوم ہوتا ہے کہ طرفین سے کس کس درجہ خلوص اور پذیرائی کا معاملہ ہوتا تھا، اور کس طرح ہر اک خود کو کم تر سمجھتے ہوئے، دوسرے کی نیازمندی اور خدمت میں بڑھ جانا چاہتا تھا۔ یہ تمام قرائن اور اطلاعات صاف کہہ رہی ہیں کہ، مولانا فضل علی صاحب کی دہلی میں، حضرت مولانا محمد الیاس سے قطعاً کوئی ملاقات نہیں ہوئی، اگر ایسی کوئی ملاقات ہوئی ہوتی، تو اس کا ان کتابوں میں ذکر آنا چاہئے تھا۔ خصوصاً مولانا عبدالمالک صدیقی اور مولانا عبدالغفور صاحب مدنی کی تحریرات وگفتگو میں، اس کی وضاحت ضرور ہوتی، نیز مولانا عبدالمالک صدیقی اور مولانا شاہ عبدالغفور مہاجر مدنی، دونوں کے، حضرت مولانا محمد الیاس، ان کے فرزند گرامی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سے، ذاتی روابط اور محبت وملاقات کا گہرا رشتہ تھا، اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے وابستگی تو، اس وقت بھی اعزاز شمار کی جاتی تھی، ان کا کسی سے بیعت مرید اور خلیفہ ہونا تو، گویا اعزاز واعتبار کی سند تھی، جس کا پورے ملک

---

[1] مقامات فضلیہ، تالیف مولانا نازوار حسین شاہ، ص: ۱۲ [کراچی: ۱۴۲۵ھ۔ ۲۰۰۴ء]

اور تمام واقفین سلسلہ میں، تذکرہ بلکہ چرچا اور شہرۂ عام، ہونا چاہئے تھا۔

اور چوں کہ مولانا فضل علی صاحب کے کئی اہم خلفاء اور ان کے نائبین، ہریانہ سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے ان سب کی ہریانہ میں خاصی آمدورفت تھی اور ہریانہ سے ملحق، مغربی یوپی کے علاقوں اور دہلی کے لوگ بھی، ان حضرات سے نسبت وتعلق رکھتے تھے اور مُراد ومرید، دونوں کا ایک دوسرے کا علاقوں میں آنا جانا تھا۔ خود کاندھلہ میں بھی خاصی آمدورفت رہتی تھی، اس سلسلہ کے اکابر کی کئی تحریرات ومولفات میں، اس کی صراحت ہے۔[1] مولانا نازوار حسین صاحب نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ، مولانا محمد سعید قریشی:

''صاحب اجازت ہوکر حسب ارشادِ پیرومرشد تبلیغ سلسلۂ کے لئے، دہلی تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ کا سلسلہ جاری ہوگیا اور پھیلتے پھیلتے دہلی، گوہانہ، پانی پت، کیتھل، تھانیسر، انبالہ، کاندھلہ اور کیرانہ وغیرہ میں، آپ سے بکثرت لوگوں نے ظاہری وباطنی فیوض حاصل کئے، آپ تاحیات سال میں دومرتبہ، ان مقامات کا سفر فرماتے اور تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے''[2]

مولانا محمد سعید قریشی نے، جو مولانا فضل علی کے ممتاز ونامور خلفاء میں سے تھے، کاندھلہ کے وابستگان سلسلہ نقشبندیہ میں سے، مستری شمس الدین صاحب کاندھلوی کو، اجازت وخلافت بھی عنایت کی تھی۔ حیات مولانا محمد سعید میں، مولانا اور ان کے متوسلین کے، کاندھلہ جانے اور قیام کرنے کا، کئی جگہ تذکرہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد سعید اور حضرت مولانا فضل علی کے، خواص کے لئے، کاندھلہ اور اور یہاں کے اصحاب نئے اور غیر متعارف نہیں تھے اور جب مولانا محمد سعید قریشی نیز سلسلہ کے اور ذمہ داران، کاندھلہ تشریف لاتے ہوں گے، یا کاندھلہ اور اطراف کاندھلہ کے اہل ذوق، مولانا سعید قریشی وغیرہ کی خدمات میں حاضر ہوتے ہوں گے، تو کیا حضرت مولانا محمد الیاس کا تذکرہ نہیں آتا ہوگا؟

اس وقت مولانا محمد الیاس معروف شخصیت تھے اور تبلیغی کام بھی متعارف ہوگیا تھا، اور چوں کہ حضرت مولانا الیاس کا کثرت سے کاندھلہ آنے، اور کم سے کم ایک شب، یہاں ٹھہرنے کا ہمیشہ معمول رہا، اس لئے یہ بات ناممکن سی معلوم ہوتی ہے کہ، مولانا سعید قریشی کی، کاندھلہ کے سفروں میں، حضرت مولانا

---

[1] مثلاً مولانا محمد سعید قریشی پر، مولانا نازوار حسین صاحب نے اپنی نظم میں لکھا ہے:

وہ دہلی، پانی پت، کرنال رہتک اور گوہانہ
وہ کیتھل، کرکشیتر، کاندھلہ، انبالہ، کیرانہ

[2] حیات سعید یہ ص: ۲۴۶، کراچی: ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ء۔ نیز مقامات فضلیہ ص: ۱۵۱

محمد الیاس سے ملاقات نہ ہوتی ہو، اور مولانا کے مرید و مستفیدین، مستری شمس الدین وغیرہ مولانا قریشی سے مولانا محمد الیاس کا تذکرہ نہ فرماتے ہوں، اور جب تذکرہ اور ملاقاتیں ہوتی ہوں گی؟ تو آپس کے قدیم روابط کی بات بھی تازہ ہونی چاہئے تھی، مگر اس کا کہیں نام ونشان، بلکہ ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا۔

ایک پہلو سے اور توجہ فرمایئے، کہ اس سلسلہ کے مشائخ، مولانا فضل علی، مولانا عبدالمالک صدیقی، مولانا محمد سعید قریشی، مولانا زوار حسین شاہ صاحب، مولانا پروفیسر غلام مصطفی خاں صاحب کے حالات واقعات، ملفوظات ومکتوبات وخدمات پر، میری معلومات کے مطابق چوبیس پچیس کتابیں شائع ہوچکی ہیں، ان میں سے دوتہائی، سترہ اٹھارہ میری نظر سے گذری ہیں، جس میں ان کا زندگی نامہ، روداد حیات اور ان حضرات کے خصوصاً دہلی، دیوبند وغیرہ اور ان اطراف کے سفروں کا خاصا تذکرہ ہے، مگر کسی ایک موقع پر بھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا نام اور مولانا فضل علی صاحب سے، مولانا کی بیعت واجازت کی بات نہیں ہے۔ اس روایت واطلاع میں ذرا بھی سچائی ہوتی، تو تقریباً تمام ہی تذکرہ نگار اس کا اہتمام سے اور شاید بار بار تذکرہ کرتے، ہر اک کی زبان پر یہ بات عام ہوتی، اس لئے مولانا فضل علی صاحب سے مولانا محمد الیاس کے بیعت اور اجازت وخلافت کی بات کو تسلیم کیا جانا ممکن ہی نہیں۔

آخر میں اس روایت کا کسی قدر تجزیہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو ماہ نامہ الفرقان لکھنؤ، رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ [اگست ۲۰۱۱ء] میں مولانا محمد یوسف صاحب ولد محمد اسماعیل صاحب کے حوالہ سے شائع ہوئی ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ:

> ''یکم اپریل، اتوار، ۱۹۳۱ء [۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ] کو، جامع مسجد دہلی میں بیٹھ کر، آپ [یعنی خواجہ فضل علی قریشی] نے فرمایا، کہ مولانا محمد الیاس کو بلاؤ، وہ تشریف لائے''

اسی سلسلہ گفتگو میں یہ بھی تحریر ہے کہ:

> ''اس کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس نے غالباً اسی مجلس میں، حضرت قریشی سے اپنے سلسلہ میں داخل کر لینے کی درخواست بھی کی، جسے حضرت قریشی نے اس طرح قبول فرمایا، کہ صرف بیعت ہی نہیں کیا، بلکہ فوری طور پر اجازت وخلافت والی سند بھی [جو دراصل حضرت مفتی کفایت اللہؒ کی لکھی ہوئی تھی] عطا فرمادی''۔

مگر اس روایت کے تمام اجزاء غیر معتبر اور نظر ثانی کے محتاج ہیں، ملاحظہ ہو:

الف: اپریل ۱۹۳۱ء [۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ] کی پہلی تاریخ کو اتوار نہیں، بدھ تھا۔ اس لئے

ان دونوں میں سے ایک بات ضرور غلط ہے، یا تاریخ صحیح ہوگی، یا دن! دونوں ایک ساتھ صحیح نہیں ہو سکتے۔ اتوار کے دن اپریل کی پہلی تاریخ ۱۹۲۸ء میں تھی، [۹/شوال ۱۳۴۶ھ] یا ۱۹۳۴ء میں [مطابق ۱۵/ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ]۔

ب: اگرچہ ۱۹۳۱ء میں مولانا فضل علی کا دہلی کا سفر ہوا تھا اس کے لئے مکتسر [کماؤں ضلع نینی تال] ۱۶/ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ کو چلے، دوسرے دن ۱۷/ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ [۳۱/اگست ۱۹۳۱ء] کو دہلی پہنچے تھے،[1] اس سے یقینی طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ مولانا فضل علی اپریل ۱۹۳۱ء میں دہلی موجود ہی نہیں تھے۔

ج: یہ سنہ اور تاریخ لکھنے میں غلطی کا امکان اور سہو، اس لئے تسلیم نہیں کیا جا سکتا، کہ یوسف بن اسماعیل صاحب کی یہ تحریر لکھے جانے، اور اس کی تشہیر واشاعت پر، ایک سال سے زائد ہو چکا ہے، مگر آج ان کے کسی قریب ومتعلق نے، اس پر نظر ثانی یا اس کی درستی کی بات نہیں کی۔

د: اگر بالفرض یہ واقعہ اس کے بعد، یا پہلے کا ہے، تو راوی صاحب کو اس سنہ اور ان تاریخوں میں، مولانا فضل علی کی دہلی میں موجودگی کا، کوئی ناقابل تردید ثبوت پیش کرنا ہوگا، اس کے بغیر یہ روایت چنداں لائق توجہ نہیں۔

ہ: مولانا فضل علی صاحب علمائے دہلی اور دیوبند وغیرہ کا، اس درجہ کا اور ایسا غیر معمولی احترام کرتے تھے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، کہ ایک مرتبہ مولانا عبدالمالک صاحب نے، مولانا فضل قریشی سے اجازت چاہی، کہ میں آپ کے متوقع سفر دیوبند کی، وہاں کے بزرگوں کو اطلاع دیدوں، اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور فرمایا:

''اُف! اتنی بے ادبی کہ علماء میری آمد کا انتظار کریں، ہرگز نہیں'' [2]

مولانا فضل علی کو، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ کے، مولانا سے ملاقات واستقبال کے لئے، مدرسہ امینیہ دہلی سے باہر آ جانے پر ہی، شرمندگی کا احساس ہوا تھا اور حضرت مفتی صاحب سے بہت معذرت کی تھی۔ یہی کیفیت سفر دیوبند میں پیش آئی تھی، کہ مولانا فضل علی وہاں کے تمام علماء کے سامنے گویا بچھے جاتے

---

[1] ملاحظہ ہو: مکتوب مولانا فضل علی، بنام مولانا عبدالمالک صدیقی - مندرجہ تجلیات صدیقی - مرتبہ، جناب مدرار اللہ مدرار نقشبندی ص: ۵۲۵، [کراچی: ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء]

[2] تجلیات [مجموعہ احوال وتعلیمات، مولانا فضل علی] از مولانا عبدالمالک صدیقی ص: ۲۲ [طبع اول، کراچی: بلاسنہ] نیز تجلیات صدیقی ص: ۷۵

تھے۔ یعنی بڑے علماء کا احترام مولانا فیض علی کا طبعی ذوق ومزاج تھا، پھر کیا وجہ ہوئی کہ مولانا خود، نظام الدین نہیں گئے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو جامع مسجد دہلی میں طلب کیا، حال آں کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا، اس وقت بھی دہلی اور مغربی یوپی کے ممتاز علماء اور مرشدین میں شمار تھا، تبلیغی کام کی وجہ سے مقبولیت اور شہرت مستزاد تھی، مولانا فضل صاحب نے ان نسبتوں اور وسیع تعارف کا کیوں خیال نہیں فرمایا؟؟

و: اگر اس روایت کے راوی، یوسف صاحب کو، یہ بات، مولانا فضل علی کی حیات کے زمانہ سے معلوم تھی اور وہ مولانا فضل علی کے متعلقین میں تھے اور مولانا کے ساتھ دہلی کا سفر بھی کر چکے تھے، تو مولانا فضل علی کے سلسلہ کے تمام اہل اجازت، خصوصاً ممتاز نائبین اور اہل سلسلہ، یوسف صاحب سے یقیناً واقف ہوں گے، مگر انہوں نے اس اہم یادگار تاریخی واقعہ کا کبھی کسی سے تذکرہ نہیں کیا۔ تجلیات میں مولانا عبدالمالک نے اور مقامات فضلیہ میں مولانا زوار حسین شاہ نے، مولانا فضل علی کے خلفائے کرام کی مفصل فہرستیں شامل کی ہیں، ان میں بھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا نام درج نہیں ہے۔ مولانا عبدالمالک نے سرسٹھ [۶۷] خلفاء کے نام درج کئے ہیں، جس میں دہلی، پانی پت اور دیوبند کے اصحاب بھی شامل ہیں۔[1] مولانا زوار حسین شاہ نے، مزید تحقیق وتصدیق کے بعد، خلفاء کی جو فہرست شامل کی ہے، وہ غالباً زیادہ قابل اعتماد ہے۔ مولانا زوار حسین صاحب نے، خلفاء کی پرانی فہرست میں سے، کچھ نام حذف کئے ہیں اور چند کا اضافہ بھی کیا ہے، اس میں کل چھیاسٹھ مجازین کے نام مرقوم ہیں، ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ:

> ''حیات فضلیہ میں، حضرت خواجہ غریب نواز [مولانا فضل علی] قدس سرہ کے خلفاء کی فہرست میں، ان حضرات کے اسمائے گرامی بھی درج ہو گئے ہیں جو دراصل حضرت موصوف کے خلفاء کے خلفاء ہیں، اس لئے اب اس کتاب میں ان حضرات کے نام درج نہیں کئے گئے، بلکہ صرف ان حضرات کے نام درج کئے گئے ہیں، جو حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ سے ہی بلاواسطہ مرید ہو کر، صاحب اجازت ہوئے ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ حضرت موصوفؒ کے، بعض خلفاء حضرات کے نام، حیات فضلیہ میں درج نہ ہو سکے ہوں، اور اب ہمارے پاس بھی، ان کے متعلق معلومات کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس لئے حضرت قدس سرہ کے خلفاء حضرات ومریدین سے درخواست ہے کہ، اگر ان کے علم میں ایسے حضرات کے متعلق صحیح معلومات ہوں تو۔۔۔۔۔ ارسال کر دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اضافہ ہو سکے''[2]

---

[1] تجلیات، مولانا عبدالمالک ص: ۳۶۔۳۸ [طبع اول، کراچی: بلاسنہ]

خیال رہے کہ یہ کتاب، مقامات فضلیہ ۱۳۹۳ھ [۱۹۷۳ء] سے برابر چھپ رہی ہے، چار پانچ ایڈیشن آ چکے ہیں، اس لئے اس کے اس اعلان سے بے خبری یا لاعلمی کا عذر صحیح نہیں ہوسکتا۔ سوال یہ ہے کہ اس درمیان یوسف بن اسماعیل صاحب نے، اولاً مولانا عبدالمالک صاحب اور بعد میں مولانا زوار حسین صاحب کو، مولانا محمد الیاس صاحب کے سلسلہ خلفاء میں شامل ہونے کی خبر کیوں نہیں دی، اس کو چھپانے کا کیا فائدہ تھا، شاید یہ خطرہ ہو کہ مولانا زوار حسین صاحب، صاحبِ نظر جید عالم اور مبصر و محقق ہیں، وہ اس اطلاع کو، جس کا مولانا فضل علی صاحب کے خلفاء اور متوسلین کی بہت بڑی تعداد میں سے، کسی نے بھی تذکرہ نہیں کیا، قبول نہیں فرمائیں گے۔

ز: اس روایت کی توثیق واعتماد کے لئے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جناب یوسف بن اسماعیل صاحب نے، بیاسی سال کے لمبے عرصہ میں، اس واقعہ کا کہاں کہاں کب اور کس کس سے تذکرہ کیا اور یہ روایت کس وجہ سے، قبولیت اور توجہ عام سے محروم رہی۔ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کی ایسے کسی بہت ممتاز، برگزیدہ شخص، خصوصاً اللہ والوں سے ملاقات ہوجاتی ہے، تو وہ ہمیشہ اس کو نہ صرف یاد رکھتا ہے، بلکہ اس ملاقات کو ایک اعزاز، اپنی زندگی کا اہم اور لائق ذکر واقعہ سمجھتا ہے اور کثرت سے، اپنے احباب اور ہر طرح کے ملنے جلنے والوں سے، اس کا تذکرہ کرتا رہتا ہے، مگر شاید یوسف بن اسماعیل صاحب نے، اس کا کبھی کسی سے ذکر نہیں کیا۔ یہ خاموشی اور تذکرہ نہ کرنا بھی، اس کی صداقت پر سوالیہ نشان لگا رہا ہے؟

ح: اگر بالفرض، مولانا فضل علی صاحب، مارچ اپریل ۱۹۳۱ء [شوال، ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ] میں دہلی میں موجود تھے اور اس روایت کے ناقل یوسف صاحب بھی، مولانا فضل علی کے رفیق سفر تھے، تو رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ [جولائی ۲۰۱۱ء] میں [جب یوسف صاحب نے یہ اطلاع عام فرمائی،] یوسف صاحب کی عمر کم سے کم سو سال، یا اس سے زائد ہونی چاہئے، کیوں کہ وہ اٹھارہ بیس سال کے تو ہوں گے، جو مولانا نے ان کو سفر میں ساتھ لیا اور مولانا محمد الیاس صاحب کو، جامع مسجد بلوانے کے لئے بھیجا، مگر کیا اس قدر طویل عمر کے افراد عموماً اس لائق ہوتے ہیں، کہ ان کی روایات واطلاعات پر بلا تردد بھروسہ کرلیا جائے اور اس سے استدلال کیا جاسکے۔۔۔۔؟

مذکورہ تمام عنوانات میں سے ہر اک عنوان اور پہلو اس کا تقاضہ کر رہا ہے کہ، اس اطلاع وروایت کو یوسف صاحب بن اسماعیل صاحب کے حافظہ کی خطا یا سہو والتباس سمجھا جائے، اس کا حقیقت سے تعلق

---

[1] مقامات فضلیہ ص: ۱۴۴ [کراچی: ۱۴۰۵ھ ۲۰۰۴ء]

جوڑنا اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی مولانا فضل علی سے بیعت وخلافت کی بات پر اعتماد، کسی درجہ میں بھی معتبر اور قابل قبول نہیں۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ راقم سطور، سلسلہ نقشبندیہ کی اہمیت، خدمات، اس کے جلیل القدر مشائخ، ان کی تعلیمات واثرات سے، بفضلہٖ تعالیٰ بے خبر نہیں ہے۔ خود ہمارے خاندان [یا خاندان حضرت مولانا محمد الیاس] کی بھی، سلسلہ نقشبندیہ سے کئی نسلوں تک، بہت گہری نسبت اور اہم رشتہ رہا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس کے والد ماجد [مولانا محمد اسماعیل] اور بڑے بھائی [مولانا محمد میاں صاحب] دونوں نقشبندی تھے، مولانا محمد اسماعیل کو، حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے اجازت وخلافت حاصل تھی، جو بعد میں مولانا مظفر حسین کے نائب اور جانشین بھی ہوئے،[1] مولانا مظفر حسین کو [حضرت شاہ محمد اسحاق کے بڑے بھائی] مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی مہاجر مکی سے سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت تھی، ان کو حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے۔

اس خاندان کے متعدد اصحاب کو، سلسلہ نقشبندیہ کے اور بھی متعدد نامور مشائخ سے اجازت تھی، مثلاً حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کو، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور سید احمد شہید سے نقشبندیہ سلسلہ میں اجازت تھی، اس لئے حضرت مولانا الیاس کے لئے سلسلۂ نقشبندیہ کی تعلیمات اور اس سلسلہ کے کسی شیخ سے استفادہ غیر متوقع تو نہیں، مگر مولانا محمد الیاس کو مولانا فضل علی صاحب سے سلسلۂ نقشبندیہ میں اجازت کی روایت کسی پہلو سے بھی درست معلوم نہیں ہوتی، اس روایت سے موجود دور اور بعد کے لوگوں کو

---

[1] یہاں یہ عرض کر دینا چاہئے کہ، مولانا محمد اسماعیل [حضرت مولانا محمد الیاس کے والد ماجد] کو، حضرت مولانا مظفر حسین نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا، مولانا محمد اسماعیل صاحب کا دہلی میں قیام بھی، مولانا مظفر حسین کی ہدایت سے، شاہ زادگان قلعہ معلیٰ، دہلی کی فرمائش پر خصوصاً شاہ زادوں اور عام متوسلین کی رہنمائی اور اصلاح وتربیت کے لئے ہوا تھا، اس قیام کی ابتداء ۱۸۵۴ء [۱۲۷۰-۷۱ھ] میں ہوئی تھی، اس وقت کی مطبوعہ کئی کتابوں اور تحریرات میں، مولانا محمد اسماعیل کے، جانشین حضرت مولانا مظفر حسین ہونے کی صراحت ہے۔ مولانا اسماعیل کا وسیع حلقہ ارشاد وتربیت تھا۔ اور مولانا مظفر حسین صاحب نے، عوام کو دین کی بات پہنچانے کے لئے، خود اپنی ذات سے محنت، مجاہدہ کر کے، گاؤں، گاؤں کا سفر کرنے اور ہر شخص سے فرداً فرداً ملنے، ان کو دین کی بات پہنچانے، نماز کا شوق دلا کر، نمازی تیار کرنے، خصوصاً ویران مسجدوں کے عبادت سے آباد کرنے کا، بڑا سلسلہ شروع کیا تھا، مولانا محمد اسماعیل نے بھی اس پہلو سے جدوجہد کی اور اپنے پیر ومرشد کے کام کو آگے بڑھایا، یہ موجودہ تبلیغی کام، کسی قدر ترمیم و اضافہ کے ساتھ اسی کا نقش ثانی ہے۔ تفصیلات کا یہ محل نہیں۔

حضرت مولانا مظفر حسین کے سلسلہ ارشاد کی ایک شاخ کا، راقم سطور کو چند سال پہلے ہی علم ہوا ہے، جو اسلام آباد [اننت ناگ] کشمیر کے، ایک بزرگ سے وابستہ ہے، جو مولانا مظفر حسین کاندھلوی کے مجاز بیعت تھے، ان کے خلفاء اور سلسلہ ارشاد موجود وفعال ہے۔

بھی مغالطہ ہوا ہے، ڈر ہے کہ یہ غلط فہمی عام ہو، اس لئے اس کی صاف صاف تردید اور اس کے نا قابل قبول ہونے کی وضاحت بہر صورت ضروری معلوم ہوئی، اسی لئے بادلِ ناخواستہ یہ چند صفحات لکھے ہیں۔ واللہ اعلم

الفرقان کی اس تحریر [رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ۔ اگست ۲۰۱۱ء] ص: ۸ میں، بیعت و اجازت کے واقعہ کا، مولانا محمد الیاس کے سفر حرمین شریفین اور وہاں کے بعض احوال و مشاہدات سے بھی سلسلہ جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے، مگر یہ بھی درست نہیں، اس میں بھی گفتگو کی خاصی گنجائش ہے لیکن یہ تحریر خاصی طویل ہوگئی ہے، اس لئے یہاں اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

تاہم یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ ''حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت'' (مصنفہ: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) کی تمام اطلاعات حتمی اور آخری نہیں ہیں، اس میں حد درجہ اختصار پیش نظر رہا ہے۔ اس لئے متعدد قابل ذکر واقعات اور اہم گوشے جن کی معتبر تحریری شہادتیں موجود ہیں یا ان کے دیکھنے جاننے والے اب تک تھے، اس تالیف میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں، بہر حال یہ خیال بھی جو اسی اطلاع پر مبنی ہے۔ درست نہیں ہے۔

☆☆☆

دورانِ اعتکاف ''زابیا'' میں حالیہ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ مطابق اگست ۲۰۱۲ء

میں... ریحانۃ العصر، حضرت مولانا

ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

کے جو اصلاحی، روحانی اور تربیتی بیانات ہوئے ہیں۔ انکی CDs دستیاب ہیں۔

نیز مدیر الفرقان، اور حضرت والا کے خلیفۂ مجاز، مفسر قرآن

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہ العالی

کے مختلف بیانات، اور خطبات کی CDs بھی دستیاب ہیں

رابطہ کریں:

خانقاہ نعمانیہ: (دستی حاصل کرنے کے لئے)

نعمانی اکیڈمی: +91-7379914420